نمل

(نمرہ احمد)

بائیسویں قسط:

''کافر، ماکر، کاذب، قاتل'' (حصہ دوم)

دریا کی اصل تیرتی لاشوں سے پوچھیے

ٹھہراؤ، ایک چال، روانی فریب ہے

فصیح فون کان سے لگائے تیز تیز سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔ اس کی سیاہ پیشانی پہ سلوٹیں تھیں اور آنکھوں میں چبھتی ہوئی ناگواری تھی۔ وہ دوسری طرف بولتے انجان آدمی کو سن رہا تھا۔

''اگر میں کہوں ہاں تو کیا مجھے انعام کی رقم ملے گی؟''

''ہاں بالکل۔ کہاں ہے وہ تامل جاسوس؟'' وہ غیر دلچسپی سے بولا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔

''پہلے مجھے انعام کی آدھی رقم بھیجو، پھر بتاؤں گا۔'' فصیح کی ناک مزید چڑھ گئی۔

''دیکھو مسٹر، مجھے تامل جاسوس کی لوکیشن بتاؤ، اگر اسے ہم پکڑ پائے، تب انعام ملے گا ورنہ ایک دھیلا بھی نہیں ملے گا۔'' وہ بلا مبالغہ کہہ رہا تھا۔

''ایسے تو میں نہیں بتاؤں گا۔'' بوڑھا سنبھالی خفا ہو گیا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' اس نے کال کاٹ کر سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی۔ پھر دوسرے سیل پہ نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور کار ریورس کرنے لگا۔

''بولو فصیح۔'' جواہرات تلخ لگ رہی تھی۔

''میم ابھی تک ان دونوں کا پتہ نہیں چل رہا۔ دونوں کے پوسٹرز الگ الگ بنوائے ہیں۔ سعدی کا تامل جاسوس کے نام سے اور خاور کا بگڑے ذہنی توازن والے لاپتہ فرد کے نام سے۔ مگر لوگ بوگس کالز کرتے ہیں۔ پھر اوور سمارٹ بن کر انعام کا ایڈوانس مانگ کر رفو چکر ہونا چاہتے ہیں۔ روز دس جگہوں پہ ان کی اطلاع ملتی ہے، میرے بندے بھاگ کر جاتے ہیں مگر سب فراڈ ہوتا ہے۔''

''مجھے اس تفصیل سے دلچسپی نہیں ہے۔ جب وہ مل جائیں تو جو تمہیں کرنا ہے وہ کر گزرنا۔'' اور اس کا ''راجر میم'' سننے سے قبل ہی جواہرات فون رکھ چکی تھی۔

وہ اس وقت اپنے بستر میں لیٹی تھی۔ سادہ نائٹ شرٹ میں ملبوس بالوں کو گول مول باندھے لحاف لپیٹے وہ سست اور بدمزہ سی لگتی تھی۔ بیڈ کی پائنتی کی طرف اسٹول پہ بیٹھی فیونا اس کے پیروں کا مساج کر رہی تھی۔

"مسز کاردار۔ کیا میری اینجیو ہمیشہ کے لئے واپس آ گئی ہے؟" دفعتاً اس نے جھکی نگاہوں کے ساتھ پوچھا۔

جواہرات نے آنکھیں کھول کر ناگواری سے اسے دیکھا۔ "اپنے دماغ کو آرام دو فیونا۔ کون کدھر جائے گا یہ میں طے کرتی ہوں۔ اب وہ تمہاری ہیڈ ہے اس کو عزت دو۔" پھر اپنا پیر درشتی سے پیچھے کو کھینچا۔ فیونا کے ہاتھ خالی رہ گئے۔

"دور ہٹو۔ میرا سارا موڈ خراب کر دیا۔ باتھ تیار کرو میرے لئے۔"

چند منٹ مزید سرکے اور پھر وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دی۔ زمرد بنا آستین کے لمبا گاؤن پہنے بال جوڑے میں باندھے۔ تازہ میک اپ اور زمرد جڑے آویزے پہنے وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔ شیرو کا کمرہ اندھیر تھا۔ وہ اسٹڈی کی طرف چلتی آئی۔ اندر بتیاں جلی تھیں اور سامنے کمپیوٹر ٹیبل پہ ہاشم چند کتابیں کھولے بیٹھا کام کرتا نظر آ رہا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے وہ کتاب میں سے کچھ پڑھ کر نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔ اس کے کندھے پہ نرمی سے ایک ہاتھ رکھا اور دوسرا اس کی میز پر رکھے وہیں کھڑی ہو گئی۔

"جی ممی؟" وہ سر اٹھائے بنا منہمک سا بولا۔

"تمہارے اطمینان پہ حیرت ہے مجھے۔ تمہارا بھائی اس لڑکی کو لے آیا جس سے مجھے نفرت ہے اس کو کمپنی کا ایک چوتھائی حصہ دے ڈالا اس کو اپارٹمنٹ لے کر دے رکھا ہے اور دو دن سے وہ اسی شہر میں رہ رہی ہے مگر تم کچھ نہیں کر رہے۔"

"میں موو آن کر چکا ہوں ممی۔" وہ اب لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔ جواہرات کا دماغ گھوم گیا۔

"ہاشم... اس لڑکی سے مجھے چھٹکارا کون دلا کر دے گا؟"

"اس لڑکی کا نام علیشا ہے اور وہ فیملی ہے ممی!"

"ہاشم..."

"ممی!" اس نے عینک اتار کر رکھی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں چہرے کے نقوش سب جواہرات کی کاپی تھے اور ان میں بھی اتنا ہی غصہ تھا۔

"میں اس کی فیس دے رہا تھا۔ وہ ایک سمسٹر ختم کر کے پڑھائی چھوڑ چکی ہے۔ وہ تنگ کر کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میری اتنے سالوں کی فیس بچ گئی۔ اس کے بدلے شیرو نے اسے چند شیئرز دے دیے ہیں اور اچھا مجھے بھی نہیں لگا مگر میں کیا کروں؟ وہ دونوں میرے اپنے ہیں۔ رہنے دیں اسے ادھر۔ کچھ دن بعد خود ہی اکتا کر چلی جائے گی۔ آپ کو کیا کہہ رہی ہے۔" اور واپس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جواہرات اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا چکی تھی اور اب افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک وقت تھا جب اس کے شہر میں ہونے کی اطلاع نہ دینے پہ تم مجھ سے گاڑی میں بیٹھے معذرت کرتے رہے تھے۔" مگر ہاشم پہ کوئی اثر

نہیں ہوا۔

''وہ وقت میں گزار چکا۔ اب موو آن کر جائیں ممی۔ اب میں ایک اچھا آدمی بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔''

جواہرات غصے سے مڑی اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئی وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''ان دو بیٹوں کے لیے اتنے سال قربانیاں دیں۔ کیا کیا نہیں کیا۔ مگر اب یہ دونوں اپنی زندگی میں آگے بڑھ چکے ہیں۔ تو ٹھیک ہے۔ رکوں گی میں بھی نہیں۔'' پرس سے سیل نکالتی وہ ہارون کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بولے تو سہی جھوٹ ہی بولے وہ بلا سے

ظالم کا لب و لہجہ دل آویز بہت ہے

کولمبو میں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر اٹھارہویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا' اور اندر' سیڑھیوں پہ کھڑا فارس دیوانہ وار بار بار اسے کال ملا رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ پریشانی اور ماتھے پہ پسینہ تھا۔

''زمر کال اٹھاؤ' پلیز کال اٹھاؤ۔'' وہ موبائل کان سے لگائے بڑبڑا رہا تھا مگر دوسری طرف وہ فون آف کر چکی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا' مڑ کر غصے سے اوپر فلیٹ کی طرف دیکھا جہاں آبی گم ہوئی تھی اور پھر... پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا' سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا اور فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور لاؤنج میں بیٹھی آبی کے سر پہ جا پہنچا جو میز پہ پڑے کھانے کے پیکٹ سمیٹ رہی تھی۔

''یہ کیا تھا؟'' وہ بلند آواز سے غرایا تھا۔ آبی نے سکون سے چہرہ اٹھایا' پھر اس کے برہم تاثرات دیکھ کر آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''کیا ہوا؟''

''یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ آپ کو پتہ تھا کہ دوسری طرف میری بیوی ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ آبی اچنبھے سے اسے دیکھتی کھڑی ہوئی۔

''میں نے ایسا کیا کہا؟'' پھر جیسے یاد کیا۔ ''میں تو کھانے کا کہہ رہی تھی۔ میں سمجھی نہیں فارس' کچھ غلط ہو گیا ہے مجھ سے؟''

اب کے وہ کچھ نہیں بولا۔ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے' چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ تنفس ابھی تک تیز تھا اور ماتھے کے بل ہنوز ویسے تھے۔

''آئی ایم سوری' اگر میری وجہ سے کچھ غلط ہوا ہے تو۔ کیا انہوں نے کچھ غلط سمجھا؟ مگر وہ آپ کی بیوی ہیں' آپ کو اتنا تو جانتی ہوں گی۔ انہیں آپ کو اتنی سی بات پہ غلط نہیں سمجھنا چاہیے تھا۔'' وہ تعجب سے کہہ رہی تھی پھر فکرمند تاثرات چہرے پہ سجائے آگے کو ہوئی۔ ''کیا میں کچھ کر سکتی ہوں آپ کے لئے؟ پریشان مت ہوں' میں فوراً ان سے بات کر لوں گی۔''

''میرے ساتھ یہ گیمز نہ کھیلیں آبدار بی بی۔'' وہ تیز تنفس پہ قابو پاتا اسے گھور کر بولا تھا۔

آبی نے اسے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکیں تو ان میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

"میں نے کیا کیا ہے' سوائے آپ کی مدد کرنے کے؟" وہ بے بسی سے بولی تھی تو فارس نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

"اچھا روئیں نہیں۔ میں سب ٹھیک کرلوں گا۔" وہ صوفے کے کنارے بیٹھا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے کچھ سوچنے لگا۔ آبدار نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ پونچھا پھر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے شام سے کچھ نہیں کھایا' یہ کھانا بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

فارس نے چہرہ اٹھا کر اسے تکان سے دیکھا۔ "اچھا سوری۔ مجھے آپ پہ غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

آبدار کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ نم آنکھیں رگڑتی سامنے والے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھی۔

"مجھے کھانا کھانا ہے۔" وہ اب بھی منہ بسورے ہوئے تھی۔

"چلیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس ٹینشن زدہ ماحول سے تو نکلیں۔" تلخی کو پی کر وہ زخمی سا مسکرایا تو بالآخر وہ مسکرا دی اور کھانے کے پیکٹ سمیٹنے لگی۔ "یہ راستے میں کسی کو دے دیں گے۔"

فارس نے رک کر اپنی شرٹ کو دیکھا۔ "میں کپڑے بدل لوں۔" اور اندر کمرے کی طرف چلا گیا۔ آبی نے مسکراتے ہوئے سارے پیکٹ سمیٹے۔ پھر موبائل پہ قریبی ریسٹورانٹس سرچ کرنے لگی۔ ساحل کنارے ایک خوبصورت ریسٹورانٹ میں بکنگ کروائی اور پھر مسکراتے ہوئے فون بند کر کے سوچنے لگی۔

گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی رہیں' وقت سرکتا رہا۔ جب پندرہ منٹ گزر گئے تو آبدار قدرے چونکی۔ فارس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ اٹھی اور اس کے کمرے کے باہر جا کر آواز دی۔ ایک آواز' دو آوازیں۔ جواب ندارد۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' پھر ڈورناب گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرہ خالی تھا۔ الماری کے پٹ کھلے تھے۔ اندر نہ فارس غازی کا مختصر سامان تھا' نہ وہ خود تھا۔ کمرے کی کھڑکی بھی کھلی تھی۔ آبی بھاگ کر گئی اور کھلی کھڑکی سے نیچے دیکھا۔ وہاں پائپ لگے تھے۔ اور جالیاں۔ وہ ان کے نیچے سڑک پہ جا اترا تھا اور کوئی ٹک ٹک یا ٹیکسی پکڑ کر کب کا کولمبو کے ہجوم میں گم ہو چکا تھا۔ وہ بالکل سن رہ گئی۔ پھر کھڑکی کی جالی میں اٹکے نوٹ پہ نظر پڑی تو اس نے لپک کر وہ کاغذ وہاں سے اتارا۔

"میں یہاں ریسٹورانٹس کے کھانے کھانے نہیں آیا تھا۔"

اور وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہو یا نہ ہو' محبت کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنا سراسر ناجائز ہوتا ہے۔

وہاں سے چند کلومیٹر دور' وہ ٹیکسی سے اتر کر بیگ کندھے پہ ڈالے' دوسرے ہاتھ میں موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ وہ اب زمر کو فون نہیں کر رہا تھا۔ وہ اپنا ادھورا کام مکمل کر رہا تھا۔ فون کان سے لگایا تو ایک نسوانی آواز ابھری۔

"ہیلو۔"

"صباحت۔ میں بول رہا ہوں۔فا..."

"فارس؟" آواز میں خوشگوار حیرت ابھری۔ "کیسے ہو فارس؟ اتنے عرصے بعد؟"

"میں ٹھیک ہوں۔شاید...." وہ زخمی سا مسکرایا۔

"شاید؟ یعنی ٹھیک نہیں ہو؟ کیا میں کچھ کر سکتی ہوں؟" وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"جب پہلی دفعہ جیل گیا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے لئے کچھ نہیں کر سکیں کیونکہ..."

"فارس آئی ایم سوسوری، میں کچھ نہیں کر سکی، میں نے بہت کوشش کی مگر یہ ممکن نہیں ہوسکا۔تم نے جو میرے لئے کیا تھا اس کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں چکا سکتی۔" وہ شدید ممنونیت سے کہہ رہی تھی۔ "تم نے اپنی نوکری خطرے میں ڈال کر مجھے میرے اریسٹ وارنٹ کا بتایا تھا۔تم کتنے سال سندھ میں پوسٹڈ رہے، میری وجہ سے اور...."

"میں یہ نہیں کہہ رہا تھا۔" اس نے نرمی سے بات کاٹی۔ "میں کہہ رہا تھا کہ پہلی دفعہ آپ نے میری مدد اس لئے نہیں کی کیونکہ آپ اس وقت انڈیا میں پوسٹڈ تھیں، لیکن دوسری دفعہ جب میں جیل گیا تھا تو آپ نے مجھے سری لنکا سے فون کیا تھا۔سری لنکا میں پوسٹڈ تھیں۔ مجھے احسان کا بدلہ مانگنا..." کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "بالکل اچھا نہیں لگ رہا، مگر مجبور ہوں۔ جہاں اتنے جرائم کر چکا ہوں، وہاں ایک اور سہی۔"

"فارس!" وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔ "تم نے جو میرے لئے کیا، وہ جرم بھی تھا، اپنی نوکری کے ساتھ خیانت بھی، دھوکہ بھی اور غیر قانونی بھی۔مگر وہ "غلط" نہیں تھا کیونکہ کچھ چیزیں قانون سے اوپر کی ہوتی ہیں۔تم کل بھی بے گناہ تھے اور کل بھی رہو گے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "کیا آپ اب بھی کولمبو میں پوسٹڈ ہیں؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں تو مقتل میں بھی قسمت کا سکندر نکلا

قرعہ فال مرے نام کا اکثر نکلا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر مکمل خاموشی تھی۔زمر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور سیم کے سوالوں کا اس نے "اسے بتا دیا ہے" کہہ کر جواب دیا تھا۔آگے نہ سیم نے پوچھا نہ حنین نے۔حنہ تو وہیں لاؤنج میں نیچے بیٹھی، لیپ ٹاپ میز پر رکھے، اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔(امی اپنے کمرے میں اپنے وظیفوں اور دعاؤں میں مشغول تھیں۔) سیم حنہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔بڑے ابا بھی وہیل چیئر گھسیٹتے، ان کے ساتھ آ رکے تھے اور اب فکرمندی سے بار بار حنہ سے پوچھتے تھے۔

"کیا تم سعدی کو ڈھونڈ سکتی ہو؟"

"نہیں ابا۔لیکن میں امی کا پاسورڈ بدل رہی ہوں، وہ پاسورڈ کے لئے امی کا ای میل کھولے گا تو میں ایک جعلی ای میل اندر محفوظ کر رہی ہوں۔وہ اسے کھول کر اس کے لنک پہ کلک کرے گا تو اس کی لوکیشن ہمارے پاس آ جائے گی۔" وہ ایک ہاتھ سے ٹائپ کرتی، دوسرے کے ناخن

مسلسل دانتوں کے بیچ کتر رہی تھی۔

"حنہ.... کیا بھائی ہمیں واپس مل جائے گا؟" سیم اس کا بازو جھنجوڑ کر بار بار پوچھتا تھا۔

"ہاں سیم۔ وہ واپس مل جائے گا اور پھر دیکھنا ہم سب ہمیشہ خوش رہیں گے۔" حسین کو یہ بہت آسان لگتا تھا۔

"کاش کہ ہمیں وہی سعدی ملے جسے ہم نے کھویا تھا حسین۔" ابا کی آواز غمزدہ ہو گئی۔ حنہ نے مڑ کر استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چہرہ نیچے گرائے بس سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ حسین کو مطلب نہیں سمجھا سکتے تھے۔

وہ سر جھٹک کر واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے سیو سعدی یوسف پیج کھولا۔ اس کے ایڈمن میں سامنے احمر شفیع لکھا آ رہا تھا۔ حسین نے پیج کو پیغام لکھا۔

"ایڈمن.... میں سعدی کی بہن ہوں۔ پلیز مجھے اس پیج کا ایڈمن بنا دیں۔"

"تم اس کی ایڈمن کیوں بننا چاہتی ہو؟" سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"سیم ہمارے فونز اور لینڈ لائن وہ لوگ ٹریس کر رہے ہوں گے' کیا پتہ ہمارے فیس بک اکاؤنٹس بھی دیکھ رہے ہوں۔ ہم کوئی بھی ایسی بات نہیں لکھ سکتے جو بھائی کے لئے خطرہ بن جائے۔ لیکن سیو سعدی یوسف والا پیج بھائی بھی دیکھتا ہو گا میں اس کے ذریعے بھائی کو کوئی پیغام بھیج سکتی ہوں۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ اس کے لئے یہ بہت آسان تھا۔

ان سے ذرا فاصلے پہ کمرے کے بند دروازے کے پیچھے جھانکو تو زمر اندھیرے میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔ اس کی خشک آنکھیں چھت پہ جمی تھیں اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا وہ موٹا بھدا فون آف تھا۔

جانے کتنے لمحے سرکے.... کتنی رات گہری ہوئی.. جب اس نے وہ فون آن کرتے ہوئے گردن سیدھی کی اور پھر اس میں سیو واحد نمبر ملایا اور اسے کان سے لگایا۔ آنکھیں ہنوز خشک اور چہرہ سپاٹ تھا۔

فارس نے چھوٹتے ہی فون اٹھا لیا تھا۔ وہ اس وقت ایک زبوں حال سے علاقے میں سڑک کنارے چل رہا تھا' ہاتھ میں پرچی تھی جس پہ لکھا پتہ وہ تلاش کر رہا تھا۔ فون کان سے لگاتے ہوئے اس نے پرچی مٹھی میں دبا لی اور بے چینی سے بولا۔

"اس طرح فون مت بند کیا کرو۔ میری بات تو سن لیا کرو۔"

"تم ہمیشہ مجھے مختلف روپ میں ملتے ہو۔"

"زمر میں تمہیں...."

"مجھے میری بات پوری کرنے دو۔" وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' سر جھکائے انگلیاں مروڑتی کہہ رہی تھی۔ "پہلے تم میرے ایک بھولے بسرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بن گئے۔ پھر ایک ایسا اسٹوڈنٹ رہ گئے جو وقت پڑنے پہ مجھے فیورز دے دیا کرتا تھا۔ پھر تم میرے سامنے ایک قاتل کی حیثیت سے آئے' جس نے اپنی بیوی کو مارا' اپنے بھائی کو مارا' اور مجھے بھی مارنے کی کوشش کی۔ پھر تم صرف ایک قیدی

رہ گئے جو سفید کرتے شلوار میں ملبوس بالوں کی پونی بنائے مجھے کبھی کبھار کچہری میں نظر آجاتا تھا۔ پھر تم مجھے ایک چالباز قیدی لگے جس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی۔ پھر تم مجھے ایک ایسے رہا ہونے والے انسان جیسے لگے جو گناہگار ہوتے ہوئے بھی قانون کا مذاق اڑا کر جیل سے نکل آتا ہے۔ پھر مجھے لگا تم ایک منتقم مزاج انسان ہو۔ جس نے اپنا رشتہ ٹھکرائے جانے کا بدلہ مجھ سے لیا تھا۔ جب تم سے شادی کر لی تو تم ایک بے حس اور سرد آدمی لگتے تھے مجھے جسے جو کہہ لو اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے لگا تم وہ نہیں ہو جو لگتے ہو۔ جو ہمیشہ لگتے تھے۔ تم بے گناہ لگنے لگے مجھے۔ یہاں تک کہ مجھے یقین آ گیا کہ تم بے قصور ہو۔ مگر بے وقوف ہو جو اپنے دشمن سے نا واقف ہو۔ پھر تم میرے شوہر بن گئے اور ایک محبت کرنے والے وفادار آدمی جیسے لگنے لگے مجھے.... مگر آج رات....'' وہ رکی۔ تیز تیز بول کر اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف وہ بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔

''آج رات لگا کہ تم ان میں سے کچھ بھی نہیں ہو۔ تم ایک اداکار ہو صرف مگر اب.... اب یہ نہیں لگ رہا۔''

''اب کیا لگ رہا ہوں میں تمہیں؟'' وہ تحمل سے بولا تھا۔

''ایک انسان۔ صرف ایک انسان جو اگر زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں لینا چاہے تو اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ بس پھر تمہیں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔'' ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر چہرے پہ لڑھک گیا۔

''کیا تم میری بات سنو گی؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہمیشہ کہتے ہو ہم نے الگ ہو جانا ہے اور مجھے نہیں پتہ کہ کیوں لیکن اگر الگ ہی ہو جانا ہے تو تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جو کرنا ہے کرو۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں اور تم کبھی ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لئے....'' اس نے گیلی سانس کو ناک سکوڑ کر اندر کھینچا اور ہاتھ کی پشت سے گال رگڑے۔ ''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم میری طرف سے پریشان ہوئے بغیر تم جو بھی کرو یہ تمہارا حق ہے۔ مجھے اعتراض نہیں۔''

وہ سڑک کنارے ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا سنجیدگی سے دوسری طرف سے آتی زمر کی آواز سن رہا تھا۔ آخر میں تلخی سے مسکرایا۔

''عظیم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی کہی اپنی سنی اور فیصلہ سنا دیا۔ ٹھیک ہے جو تم چاہو۔'' اور اسی سنجیدگی سے موبائل نیچے کیا اور کال کاٹ دی پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

زمر نے سر گھٹنوں میں دے دیا اور بازو ان کے گرد لپیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب ہر طرف پھر سے اندھیرا ہو گیا تھا۔

اور اسی اندھیر رات میں احمر جب لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا تو نئے پیغام نے اسے چونکایا۔ اسے پڑھ کر اس نے بلا کسی تردد کے حنین یوسف کو اپنے پیج کا ایڈمن بنا دیا۔ پھر یونہی.... اس کی پروفائل کھولی۔ کچھ خاص نہ تھا ادھر.... البتہ.... ایک چہرہ دیکھ کر وہ چونکا تھا....

اب اس کی انگلیاں تیز تیز کی بورڈ پہ حرکت کر رہی تھیں اور آنکھوں میں چمک سی تھی۔

ادھر کولمبو کے آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہونے لگے تھے گویا پورے شہر کو نہلا دینے کے لئے بے چین ہوں۔ ہوٹل کی بلند و بالا عمارت سر

اونچا کیے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اندر..... گراؤنڈ فلور کے سیکیورٹی کنٹرول روم میں دو افراد کمپیوٹر مانیٹرز کے سامنے بیٹھے تھے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سیاہ فام فصیح اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔

"تمہیں ریسپشن پہ طلب کیا جا رہا ہے۔ کوئی ملنے آیا ہے تم سے۔" ایک کو اکھڑ لہجے میں حکم دے کر وہ دوسرے کی طرف آیا' اور چند لمحے انتظار کیا' یہاں تک کہ پہلا نوجوان کمرے سے چلا گیا۔

"خیریت سر؟" دوسرے آفیسر نے کرسی اس کی طرف گھمائے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ فصیح نے جواباً اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔

"مجھے شام میں ایک کال آئی تھی۔ پوسٹر والے لڑکے کے لئے۔" اس بات پہ آفیسر نے اکتا کر سر جھٹکا۔

"نہیں سنو۔ بے شک وہ عام کالرز کی طرح بوگس ہی لگ رہا تھا' مگر....." اس نے اسکرین سامنے لہرائی۔ "اس کا موبائل نمبر کینڈی کا ہے۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ اشتہار ہم نے کولمبو میں دیا ہے۔ پھر کینڈی سے کیوں کوئی کال کر رہا ہے ہمیں؟"

"ہو سکتا ہے نمبر کینڈی کا ہو مگر کالر کولمبو میں ہو۔ آدمی سم کسی بھی شہر سے لے سکتا ہے۔" مگر فصیح نے نفی میں سر ہلایا۔

"مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سعدی یوسف کینڈی میں ہو؟"

"تو پھر اس کالر کے پاس پوسٹر کیسے آیا؟" اس نے نکتہ اٹھایا۔ فصیح نے الجھ کر سر جھٹکا۔

"اس نمبر کو ٹریس کرو۔"

"راجر سر!" وہ فوراً سے مانیٹر کی طرف گھوما اور کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ پانچ منٹ بھی نہیں لگے اور اس نے سر اٹھایا۔ "نمبر آف ہے۔ سم موبائل میں نہیں ہے' ورنہ سگنل مل جاتا۔ میں اس نمبر پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ جیسے ہی آن ہوتا ہے بتاتا ہوں۔"

فصیح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "یہ اس کی کوئی ایکسٹرا سم ہوگی۔ تم اس کا سارا کال ریکارڈ نکلواؤ۔ کس کے نام ہے' سم' سب کچھ۔" پھر جوش سے اس کا کندھا تھپکا۔ "ہری اپ۔"

انعام کی رقم کے صفر فصیح کو اپنی آنکھوں میں چمکتے دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ جواہرات کا اس سے وعدہ تھا۔ ہارون کا انعام الگ۔ خون اس کی رگوں میں بہت تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں ان میں بھٹکتے ہوئے جگنو کی طرح ہوں

اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

یہ کولمبو کے ایک زبوں حال اور پسماندہ علاقے کی ایک فلیٹ بلڈنگ تھی۔ سامنے کچرے کا ڈھیر تھا۔ میلی دیواریں۔ فلیٹس کی بالکونیوں پہ

سوکھتے کپڑے۔ اندر فارس گول سیڑھیاں عبور کر کے ایک دروازے کے سامنے آن ٹھہرا تھا اور اب دستک دے رہا تھا۔ اپنے ہلکے سوئیٹر کے آستین موڑ رکھے تھے اور سر پہ پی کیپ لے رکھی تھی۔ دو دفعہ دوبارہ دستک دی۔ پھر بیل بجائی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا۔ درز سے ایک تمی اور سانولے لڑکے نے جھانکا۔

''مجھے صباحت نے بھیجا ہے۔ صباحت مرزا نے۔ کام ہے تم سے۔''

لڑکا درز سے چند لمحے اسے جھانکتا رہا۔ پھر دروازہ کھول دیا اور زنجیر گرادی۔ وہ دروازہ پرے دھکیلتا اندر داخل ہوا۔ ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

''تعارف اور تمہید میں میرا وقت ضائع نہ کروانا۔ اپنا کمپیوٹر آن کرو۔ جو صلاحیتیں تم مختلف حکومتوں کو بیچتے رہتے ہو، مجھے ان کی ضرورت ہے۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ چلو۔'' اس کا موڈ پہلے خراب تھا' گھرک کر بولا تو لڑکا جلدی سے اندر چلا گیا۔ فارس ماتھے پہ بل لئے اس کے پیچھے آیا۔ اندر ایک چھوٹے سے کمرے میں تین کمپیوٹرز رکھے تھے۔ ایک آن تھا۔ وہ لڑکا اسی کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا اور مطلوبہ پروگرام کھول رہا تھا۔

''صباحت نے کہا تھا تمہیں گورنمنٹ کے فیشل recognation سافٹ ویئر تک access چاہیے۔ تصویر دو مطلوبہ لڑکے کی۔'' کی بورڈ پہ ٹائپ کرتے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ فارس نے ایک فلیش اس کی ہتھیلی پہ رکھی۔ اور ساتھ کھڑا اسے دیکھنے لگا۔

''اس میں سب تصاویر ہیں اس کی؟'' وہ فلیش ڈرائیو لگا کر پوچھ رہا تھا۔

''نظر نہیں آ رہیں کیا؟'' وہ درشتی سے بولا۔ تمی لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جیسے بہت ضبط کیا ہو' پھر سر جھٹک کر کام کرنے لگا۔

''میں اسے سسٹم میں ڈال رہا ہوں۔ اس چہرے کا لڑکا پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں کولمبو کے کسی اسٹریٹ کیم' ایئرپورٹ بس' ٹرین اسٹیشن وغیرہ کے کسی بھی پبلک کیمرے کے سامنے اگر آیا ہو تو فوراً میچ مل جائے گی۔''

''کولمبو میں نہیں' اسے کینڈی میں ڈھونڈو۔'' وہ کمپیوٹر ٹیبل کے کنارے بیٹھ گیا۔

وہ لڑکا' جس کا نام پریرا تھا' گہری سانس لے کر مطلوبہ الفاظ ٹائپ کرنے لگا۔

''انگریزی فلموں کے برعکس فیشل ریکوگنیشن میں کئی گھنٹے لگتے ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد پریرا جمائی روکتے' بازوؤں کا تکیہ بنا کر پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے بولا تھا۔ ''اگر وہ نظر آیا تو اسکرین پہ سگنل بج جائے گا۔ تم دیکھتے رہو میں تب تک کھانا کھا لوں۔'' کہہ کر وہ اٹھنے لگا تو میز کے کونے پہ بیٹھے فارس نے اپنا پیر لمبا کر کے راستے میں رکھ دیا۔ پریرا نے چونک کر اسے دیکھا۔ فارس نے جیب سے پستول نکال کر میز پہ رکھا' پھر دوسری جیب سے نسبتاً چھوٹا پستول نکال کر اس کے ساتھ ڈالا' پھر سخت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو سے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جب تک وہ مل نہیں جاتا' تم کہیں نہیں جا رہے۔ واپس بیٹھو۔''

لڑکے نے ایک نظر اسے دیکھا' دوسری بے بس نظر ان دو پستولوں پہ ڈالی' پھر گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ پروگرام کے مسلسل چلنے کی

آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ رات دھیرے دھیرے کٹنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں

ابھی روشنی ابھی تیرگی، نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

اگلی صبح دھوپ چھاؤں کا سا موسم اسلام آباد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔ اس پرشکوہ عمارت کے بالائی فلور پہ وہ ایک کشادہ سا آفس تھا۔ بلائنڈز کھلے تھے اور سنہری روشنی آدھے آفس کو روشن کر رہی تھی۔

مرکزی کرسی پہ نوشیرواں ٹیک لگائے بیٹھا ایک کرسٹل بال ہاتھ میں گھما رہا تھا۔ سامنے کھڑکی کے آگے علیشا کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں کو اونچی پونی میں باندھے اس کی بے حد گوری جلد اور سرمئی آنکھیں دھوپ کی حدت سے چمک رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے چہرہ موڑ کر چبھتی ہوئی نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔

"اب؟ اب کیا ہوگا؟"

"کیا ہونا ہے، تم یہاں کام کرو گی، آرام سے رہو گی۔"

علیشا کاردار کی آنکھوں میں خفگی اتری۔ "تم نے مجھے یہ کہہ کر بلایا تھا کہ مجھے میرے باپ کی جائیداد سے حصہ دو گے۔"

"دے تو رہا ہوں۔" وہ حیران ہوا اور قدرے ناراض بھی۔

"میں نے کیا کرنا ہے اس کمپنی کا؟ میں سوچ رہی ہوں ان شیئرز کو بیچ دوں۔"

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ "اور ان کے بدلے رقم لے کر واپس چلی جاؤ؟"

"ہاں نوشیرواں، میں اس رقم سے نئی زندگی شروع کر سکتی ہوں۔"

نوشیرواں ناگواری سے ابھی کچھ کہتا مگر دروازہ دستک کے ساتھ کھلا تو چوکھٹ میں زمر کھڑی نظر آئی۔ سیاہ کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس، گھنگریالے بال آدھے باندھے، وہ مسکرا رہی تھی۔ بالکل پرسکون، پراعتماد اور اپنی ناک کی نتھ کی طرح تازہ دمکتی ہوئی۔ رات والے واقعے کا شائبہ تک چہرے پہ نہ ملتا تھا۔

"آیئے مسز زمر۔" وہ اپنائیت سے کہتا اٹھا۔ اسے دیکھ کر ہمیشہ شیرو کو تقویت ملتی تھی۔

"تھینک یو نوشیرواں۔" وہ مسکرا کر کہتی آگے آئی۔ "ہیلو علیشا!" ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ بس صبح بخیر کہہ کر رہ گئی، البتہ سینے پہ لپیٹے بازو کھول کر پہلو میں گرا دیے تھے اور جو پہلے بے نیازی سے کھڑی تھی اب الرٹ سی ہو گئی تھی۔

"میں صرف اطلاع دینے آئی تھی۔" کرسی کھینچ کر بیٹھتی وہ نرمی سے گویا ہوئی۔ اور پرس میز پر رکھا۔ "مجھے صبح ہاشم کا فون آیا تھا۔"

نوشیرواں کے چہرے پہ بے چینی سی پھیلی۔ وہ آگے کو ہو کر بیٹھا اور ہاتھ باہم پھنسا کر میز پر رکھے۔

"

"وہ کہہ رہا تھا کہ علیشا چاہے تو آفس میں کام کرے۔ چاہے تو اپنے شیئرز اسے بیچ دے۔ وہ ان کے بدلے ایک خطیر رقم دینے کو تیار ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" شیرو کے چہرے پہ پہلے ہاشم کے نام سے جو زخمی پن سا پھیلا تھا اب وہ عنقا ہو کر غصے میں ڈھل گیا۔

"مگر یہ اچھا سودا ہوگا۔" علیشا قدرے امید سے کہتی آگے آئی۔ شیرو نے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھا۔

"میں نے تمہیں شیئرز اس لئے نہیں دیے تھے کہ تم انہیں ہاشم بھائی کو بیچ کر انہیں 50 فیصد کا مالک بنا دو اور میں بالکل معذور ہو جاؤں۔"

"اب وہ میرے شیئرز ہیں اگر تمہیں میرا خیال ہے تو....." وہ بھی تیزی سے کہنے لگی۔ مگر زمر نے میز کو انگلی کے ناخن سے زور سے کھٹکھٹایا۔

"ایک منٹ!" آفس میں خاموشی چھا گئی۔ پھر زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ "نوشیرواں، کیا آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟"

"مسز زمر! اگر یہ دونوں مل گئے تو میں ان کا محکوم بن جاؤں گا اور....."

"نوشیرواں آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟" وہ اب سنجیدگی سے بولی تو وہ ذرا چپ ہوا۔ "مجھے ہے مگر....."

"تو فکر کیسی؟ میں آپ کی وکیل ہوں، آپ کے مسئلے حل کرنا میرا مسئلہ ہے۔ کچھ بھی ایسا نہیں ہوگا جو آپ نہیں چاہیں گے۔"

نوشیرواں نے ناخوشی سے سر کو خم دیا مگر وہ آرام دہ نہیں لگ رہا تھا۔ زمر نے اب سرد نظروں سے علیشا کو دیکھا جو بے چین نظر آ رہی تھی۔

"مس علیشا کاردار۔ آپ نے اس روز دو کاغذات پہ دستخط کیے تھے۔ وہ دوسرا کاغذ جانتی ہیں کیا تھا؟"

"آپ نے کہا تھا کہ وہ میرے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے ہے تاکہ کوئی مجھ سے زبردستی شیئرز نہ چھین لے۔"

"ااا..... میں نے جھوٹ بولا تھا۔" زمر نے شانے اچکائے۔ "اس کاغذ کی رو سے آپ نوشیرواں کاردار کے علاوہ کسی بورڈ ممبر کو وہ شیئرز نہیں بیچ سکتیں۔ اور نوشیرواں کو بھی آپ ان کی مرضی کی قیمت پہ بیچیں گی۔ آپ اپنی مرضی سے وہ شیئرز نہیں فروخت کر سکتیں۔"

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ خود علیشا بھی متحیر کھڑی رہ گئی۔

"اور یہ شرط کمپنی کے بائی لاز کے سیکشن 18 کی شق (B) کے عین مطابق ہے۔ آپ ہاشم کو وہ بیچ ہی نہیں سکتیں۔" ٹیک لگا کر بیٹھی وہ قلم دو انگلیوں میں گھماتی اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ نوشیرواں کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

علیشا نے سرمئی آنکھوں بے بسی بھرے زمر کو دیکھا۔ "آپ نے مجھے مس گائیڈ کیا۔ کیوں مسز زمر؟"

"کیونکہ میں آپ کی نہیں، نوشیرواں کاردار کی وکیل ہوں۔ آپ کو دولت کمانی ہے علیشا تو آپ کو کام کرنا ہوگا۔ دنیا کا کوئی کاروبار ایسا نہیں ہے جو انسان کو بٹھا کر کھلا سکے۔ آپ نوشیرواں کا گفٹ یوں اڑا نہیں سکتیں۔" پھر چہرہ گھما کر نوشیرواں کو دیکھا۔ "چونکہ ہاشم نے علیشا کو کام کرنے کی اجازت دے دی ہے تو آپ اپنے بھائی سے صلح کر لیں۔ وہ آپ سے سب سے زیادہ مخلص اور وفادار ہے۔"

نوشیرواں اب پہلے سے بہتر نظر آنے لگا تھا۔ گردن دوبارہ اکڑ گئی تھی۔ "میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ چھڑی ڈال کر پانی کی گہرائی دیکھ چکی تھی، سو علیشا سے مخاطب ہوئی۔ "نوشیرواں کے ساتھ کام کریں اور کمپنی کو ترقی دلائیں۔ یہ اس احسان کا بدلہ ہوگا جو اس نے آپ پہ کیا ہے۔"

مگر اس فیری ٹیل نصیحت سے وہ دونوں بے زار تھے۔ مخالف سمتوں میں رخ کئے وہ ذہن میں اپنے تحفظ اور اپنی بقا کے تانے بانے بن رہے تھے۔ وہ جانے لگی تو علیشا کسی خیال سے جاگی۔

"مسز زمر! کیا میں حنین سے مل سکتی ہوں؟"

"نہیں۔" وہ یک لفظی جواب دے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا چپ رہ گئی۔ وہ مسلسل اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے

مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کولمبو پر سورج نے سنہری شربت انڈیل دیا تھا۔ سارا شہر سونے میں نہا گیا تھا۔

فصیح نے اپنے فلیٹ سے نکلتے وقت فون کان پہ لگائے فکرمندی سے پوچھا۔ "اس کینڈی والے شخص کا فون آن ہوا یا نہیں؟ میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ تم اس نمبر کو نظر میں رکھنا۔" اور پھر فون بند کر کے کار کی طرف بڑھ گیا۔

کینڈی کی پہاڑیوں کے بیچ، سڑک کنارے بنی کافی شاپ کے اندر کا ماحول نرم گرم سا تھا۔ کچن میں سعدی ایپرن پہنے کھڑا برتن ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹرک کو مزید سحر انگیز بنانے کے لئے خاص برتن بھی منگوائے تھے۔ خود باہر جانے کی غلطی وہ نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ کسی اسٹریٹ کیم کی زد میں آ گیا تو وہ لوگ اسے ڈھونڈ لیں گے، وہ جانتا تھا۔

کام ختم کر کے وہ کونے میں آیا اور کامنی کا لیپ ٹاپ کھولا اور اسٹول پہ بیٹھ گیا۔ کی بورڈ پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ فیس بک اکاؤنٹ لاگ ان کرنے لگا۔ پھر آنکھیں حیرت سے سکڑیں۔ پاسورڈ نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ پھرتی سے اس نے فیس بک بند کیا اور کمپیوٹر آف کر دیا۔ اسے مزید امی کے اکاؤنٹ کو نہیں کھولنا تھا۔ کسی کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اکاؤنٹ کھول رہا ہے اور یقیناً اس کے لئے کوئی جال بچھا کر رکھا گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ حنین ہو۔ مگر وہ خطرہ نہیں لے سکتا تھا۔

واپس کولمبو میں آؤ تو کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے کھٹا کھٹ ٹائپ کرتے ہوئے شخص نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔"

وہ چیئر کے پیچھے آ کھڑا اور سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھا۔ "کیا آف نمبر کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا؟"

"نہیں۔ جب تک وہ نمبر آن نہیں ہو گا ہم اس کو ٹریس نہیں کر سکتے۔ اب؟" مڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"وہ کینڈی میں ہے، مجھے اس کا یقین ہے۔ ایسا کرو، اس نمبر کو ابھی چھوڑو۔ تم ایک اور کام کرو۔" وہ آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"کیا کروں؟ اتنے بڑے کینڈی میں ایک شخص کو ڈھونڈنا ناممکن ہے۔"

"ڈارک نیٹ پاس کا پوسٹر دیکھا ہے نا تم نے؟ اس پہ موجود انعامی رقم کا نصف دوں گا اگر ہم نے اسے پکڑ لیا تو۔"

''مجھے یقین نہیں ہے۔ تم اس کو ڈھونڈ کر اسے گولی مار دو گے' مجھے معلوم ہے۔'' کمپیوٹر اسکرین کی طرف واپس گھومتے اس نے خفگی سے کہا تھا

۔''اب بتاؤ' کیسے ڈھونڈیں گے ہم اسے؟''

وہ سوچتے ہوئے بولنے لگا۔''وہ کہیں کسی محفوظ جگہ پناہ لئے ہوئے ہے۔ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے ادھر۔ اسی لئے باہر نہیں نکل رہا۔ ہم اسے باہر نکالیں گے۔''

''مگر کیسے؟'' اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔

''میرے اور تمہارے برعکس' وہ ایک اچھا انسان ہے۔ رحم دل اور مہربان۔ ہم اس کی رحم دلی کو اس کے خلاف استعمال کریں گے۔ اگر وہ کچھ ایسا سنے' جو اس کے مہربان دل کو ہلا دے' تو وہ باہر نکل آئے گا اور میں اسے جا لوں گا۔''

''یعنی کہ ہم اس کے لئے جال بچھائیں۔ گڈ۔ لیکن ایسا کیا ہو سکتا ہے جسے سن کر وہ نکل آئے؟'' اور مڑ کر دوبارہ اسکرین کو مایوسی سے دیکھا۔ ''وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہ گزر طے کرنی ہے

ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم

زمر گھر میں داخل ہوئی' چیزیں حسینہ کو پکڑائیں' اس کو مارکیٹ سے چند ادویات لانے کے لیے بھیجا اور خود ڈائننگ ہال میں چلی آئی۔ حنہ کرسی پہ پیر اوپر کئے بیٹھی تھی۔ چائے کے دو خالی مگ ساتھ رکھے تھے اور وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

''بھائی نے ایک دفعہ فیس بک کھولا' پاسورڈ بدلا ہوا دیکھ کر ای میل نہیں کھولی۔ وہ جیسے پیچھے ہٹ گیا ہے۔'' وہ نم آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ سیم بھی رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں کے ساتھ قریب بیٹھا تھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

''سیم' اٹھو۔ امی اور بڑے ابا کو بلاؤ۔''

''کیوں پھپھو؟'' سیم نے اچنبھے سا اسے دیکھا۔

''کیونکہ ہمیں ایک فیملی میٹنگ کرنی ہے اسامہ یوسف۔'' تحکم سے کہہ کر وہ سربراہی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اسامہ ڈھیلا سا اٹھ گیا۔ حنہ اسی طرح دل مسوس کر بیٹھی رہی۔

ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی' سو ندرت گھر پہ ہی تھیں۔ وہ آئیں اور فکرمندی سے باری باری ان سب کے چہرے دیکھتے پہلی کرسی پہ بیٹھیں۔ سیم ابا کی وہیل چیئر بھی دھکیلتا لے آیا۔ پھر سلائیڈنگ ڈور بند کر دیا۔

''مجھے آپ سب سے بات کرنی ہے۔'' وہ کرسی کی پشت پہ دونوں ہتھیلیاں جمائے کہہ رہی تھی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے' سوائے حنین کے۔ زمر آگے آئی' لیپ ٹاپ کے پاور بٹن پہ انگلی رکھ کر اسے دبایا۔ اسکرین آف ہو گئی۔ حنہ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''زمر میں بھائی کے لاگ اِن کا انتظار....''

''میں نے کہا ہم ایک فیملی میٹنگ کرنے جا رہے ہیں تو تمہیں متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر تمہارا بھائی رابطہ نہیں کر رہا تو اس کی کوئی وجہ ہوگی۔'' وہ ڈپٹ کر بولی تو حنین بے دلی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''کل رات آپ سب نے مجھے الزام دیا... نہیں بھابھی، میری بات سنیں۔ یہ معاملے میں آپ لوگوں سے بہتر ڈیل کر سکتی ہوں، اور چاہے آپ مجھ سے بڑے ہوں، آپ کو ان معاملات میں میری بات ماننی ہوگی۔'' ندرت کو لب کھولنے سے پہلے ہی اس نے خاموش کرا دیا۔

''فارس اور میں نے یہ سب چھپایا اس لئے نہیں کہ ہمیں راز رکھنے کا شوق ہے، بلکہ اس لئے کہ خطرناک راز بم کی طرح ہوتے ہیں، انہیں ہم اپنے ''اپنوں'' کے ہاتھوں میں اس لئے نہیں دیتے کہ ان کی ذرا سی لاپرواہی ان ہی پہ کوئی ٹریجڈی نہ لے آئے۔ مگر اب آپ لوگ جان ہی گئے ہیں تو سنیں۔'' باری باری سب کی طرف نظریں گھماتی، وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہی تھی اور سب دھیان سے اسے سن رہے تھے۔

''کاردارز عزت دار لوگ ہیں۔ وہ کرپٹ ہیں، سب جانتے ہیں، مگر وہ قاتل ہیں، یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہم جانتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ ہم جانتے ہیں۔ جس دن وہ جان گئے، اس دن زمین ہمارے لئے تنگ ہو جائے گی، اس دن کو ابھی نہیں آنا چاہیے۔ کم از کم جب تک ہمارا سعدی ہمارے پاس نہیں ہے، تب تک نہیں۔ اس لئے آپ سب دوبارہ ان الفاظ کو نہیں دہرائیں گے۔'' اس کا لہجہ اب بھی بے لچک تھا۔ ''کوئی اب اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ کاردارز کیا کر چکے ہیں، آپ جیسے جانتے ہی نہیں۔ وہ لوگ ہمارے فونز ٹیپ کر رہے ہوں گے، ہماری کالز سن رہے ہوں گے۔ کوئی بھی فون پہ یا ایسے بھی کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر کال میں آپ یوں مایوسی کا اظہار کریں گے کہ جیسے ہم ابھی تک سعدی کے بارے میں بے خبر ہیں۔ ابھی جنگ کا وقت نہیں آیا۔ ابھی ہم نے خود کو نارمل ظاہر کرنا ہے۔ اسامہ تم کل سے اسکول جاؤ گے بلاناغہ، اور بھابھی آپ ایک گھنٹے کے لئے بھی ریسٹورانٹ سے غائب نہیں ہوں گی، کیونکہ ہماری ہر نقل و حرکت پہ وہ لوگ نظریں رکھے ہوں گے۔ ہمیں ان کو ''شک'' کا موقع نہیں دینا۔ ہمیں ان کو اپنی طرف سے پرسکون رکھنا ہے۔ سب نارمل ایکٹ کریں گے۔'' بالآخر خاموش ہو کر اس نے سامنے بیٹھے حاضرین کو دیکھا۔ سب متفق تھے یا غیر متفق، سب بات مان چکے تھے۔ صرف ندرت کے لبوں سے نکلا۔ ''اور سعدی؟ اس کا کیا؟'' ان کی آواز تک کانپ گئی۔

زمر نے میز سے اپنا پرس اور سیل فون اٹھاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''فارس سنبھال لے گا۔'' اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ

منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

صبح ابھی پوری طرح دوپہر میں نہیں ڈھلی تھی مگر فاطمہ اختر کا آفس سورج کی کرنوں سے مکمل طور پہ روشن تھا۔ وہ فائل ریک کے سامنے کھڑی سوچ کر ایک ایک فولڈر نکالتی، پھر نفی میں سر ہلا کر واپس رکھتی۔ دفعتاً دستک پہ مڑی۔ چوکھٹ میں احمر کھڑا تھا۔ فینسی شرٹ اور کوٹ

میں ملبوس، وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ فاطمہ نے بھی مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"اور صبح سویرے جناب احمر شفیع نے مجھے یہ اعزاز کیونکر بخشا؟" وہ اپنی سیٹ پہ تھکن سے گرتے ہوئے بولی۔

احمر تیزی سے آگے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے میں آج کل کسی کو وقت نہیں دے پا رہا۔ میری جاب.... بہت ٹف ہوتی جا رہی ہے۔"

"تم کرنل خاور سے بہتر غلام بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر وہ بیسٹ تھا۔" احمر کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا، مگر پھر سر جھٹک کر آگے کو ہوا۔

"میں نے تمہیں حنین یوسف کو ریسرچ کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"وہ کلین ہے احمر۔ میں نے بہت ڈھونڈا، مجھے کچھ نہیں ملا۔" فاطمہ نے شانے اچکائے۔

"کوئی بھی کلین نہیں ہوتا فاطمہ۔" وہ زخمی سا مسکرایا، پھر اپنا ٹیب اس کے سامنے رکھا۔ "کل رات اس نے مجھے میسج کیا کہ میں اسے سعدی یوسف کا ایڈمن بنا دوں۔"

"تو بنا دو۔ اس کے بھائی کے نام کا پیج ہے وہ۔"

"بات یہ نہیں ہے۔" وہ دبے دبے جوش سے بول رہا تھا۔ "بات یہ ہے کہ میں نے پہلی دفعہ اس کی فیس بک پروفائل دیکھی ہے۔"

"میں کب کی دیکھ چکی ہوں اس میں کچھ نہیں ہے۔" وہ بیزار آ گئی تھی۔

"اس میں واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر اس میں "کوئی" ہے۔" کہہ کر اس نے اسکرین فاطمہ کے سامنے کھڑی کی۔ وہ اچنبھے سے آگے ہوئی۔

"یہ ایک لڑکی ہے حمیرا نام کی۔ اس نے اپنے باپ کی پکچر کو پروفائل پکچر کے طور پہ لگا رکھا ہے۔ ایف وائی آئی، یہ آدمی ایک بورڈ کا وی پی تھا، اور اس کو جسٹس سکندر نے قتل کر دیا تھا، اسی ویڈیو کو سعدی اور میں نے.... استعمال کیا تھا۔" فارس کا نام نہیں لے سکا۔ چپ ہو گیا۔

"او کے تو؟"

"تو یہ کہ اس کی بیٹی اور حنین یوسف فرینڈز تھیں۔ سعدی نے مجھے کہا تھا، وہ ندامت لے کر اوی پی کے گھر گیا تھا جب اس کو وہ پین کیمرہ ملا۔ وہ گلٹی تھا مگر کیوں؟ وہ تو کبھی اوی پی سے نہیں ملا تھا۔ پہلی دفعہ ان کے گھر گیا تھا۔ جب یہ بات میں نے غازی اور مسز مرکو بتائی تو وہ چھوٹی لڑکی بھی ساتھ بیٹھی تھی اور اس کی شکل عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ ایسا کیا تھا جس پہ سعدی گلٹی تھا۔"

فاطمہ بالآخر دلچسپی سے آگے کو کوئی۔ "مگر کیا؟"

"یہی جاننے کے لئے میں نے اس لڑکی کا اکاؤنٹ ہیک کیا۔"

"حنین کا؟"

"نہیں۔ وہ خطرناک ہے۔ میں نے اس حمیرا کا اکاؤنٹ ہیک کیا اور حنین سے اس کی گفتگو پڑھی۔ دو سال پرانی گفتگو۔ اور جانتی ہو مجھے اس سے کیا معلوم ہوا؟"

"کیا؟" فاطمہ سانس روکے سن رہی تھی۔

"اوسی پی کی بڑی بیٹی کی ویڈیو کسی کے پاس تھی' انہوں نے حنین سے مدد مانگی' حنین نے کہا کہ انکل خود آ کر مجھ سے کہیں۔ پھر گفتگو سے لگتا ہے کہ کام ہو گیا۔ چند ماہ بعد حنین نے اس سے اس کے ابو کا نمبر مانگا اور کہا کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد حنین نے اس کو کوئی میسج نہیں کیا۔ سارے میسج اسی لڑکی کے ہیں۔ وہ گلہ کر رہی ہے کہ حنین ابو کی وفات پہ آئی بھی نہیں نہ تعزیت کا فون کیا۔ حنین نے جواب نہیں دیا۔ وہ گلٹی تھی۔"

"مگر کس چیز پہ؟"

"یہی میں نے سوچا۔ جس دن اس اوسی پی کو فون کیا گیا ہو گا اسی دن ان کی موت ہوئی۔ حنین موت کی اصل وجہ سے واقف نہیں تھی۔ اس نے سمجھا کہ.... کہ اس کی وجہ سے ہوا ہے یہ۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے؟"

"کیونکہ فاطمہ اس دن اس کا بورڈ کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا۔ حنین مجھ سے کس بات پہ چڑتی تھی؟ جب میں نے اس سے اس کے رزلٹ کا پوچھا۔ میں نے کہا تھا' آپ نے نقل مار کر تو ٹاپ نہیں کیا تھا کیا؟ فاطمہ... فاطمہ... اس نے نقل سے ہی ٹاپ کیا تھا۔ اس نے ویڈیو ہٹانے کے لئے اس لڑکی کے باپ سے کیا مانگا ہو گا؟ اس نے بعد میں انجینئرنگ میں کیوں داخلہ نہیں لیا؟ وہ میرے منہ سے کون سا ڈکرسن کر میری طرف سے ان سیکیور فیل کرنے لگی' اتنا کہ اس نے مجھے یہ تاثر دیا جیسے غازی کو میری شکایت لگا رہی ہو۔ وہ بھی راز چھپا رہی ہے۔" اس نے ایکسائٹمنٹ سے میز پہ ہاتھ مارا۔

"اتنی جھوٹی اور چالاک لڑکی میں نے پہلی دفعہ دیکھی ہے۔" فاطمہ نے جھرجھری لی۔ مسٹری حل ہو گئی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا' کوئی بھی کلین نہیں ہوتا۔" مسکرا کر قطعیت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فاطمہ نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔

"لیکن تم ان کی فیملی کے دوست ہو۔ اس راز کا کیا کرو گے؟ یہ تو بے کار ہے تمہارے لئے۔" وہ جو ایک پزل حل کر کے فاتح اور مطمئن سا اٹھ رہا تھا' جاتے جاتے رک کر اسے دیکھا اور پھر زخمی سا مسکرایا۔

"ہر راز کی قیمت ہوتی ہے فاطمہ۔ کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی طرح' وہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔" چابیوں والا ہاتھ ہلا کر وہ باہر نکل گیا اور فاطمہ سوچتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے' دھوپ زیادہ سائے کم

لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

سعدی یوسف کو اس کافی شاپ میں کام کرتے چوتھا روز ہونے کو آیا تھا۔ بوڑھے سنہالی روپا سنگھی نے ابھی تک اپنا نمبر آن نہیں کیا تھا۔

وہ کچھ دن میں کولمبو جا کر خود سے اس معاملے کی تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کامنی سعدی کے کام سے خوش تھی' اور چار دن میں اس نے دیکھا تھا کہ چار پانچ لوگ پلٹ کر آئے تھے اور اپنے ساتھ مزید مہمان بھی لائے تھے۔ کامنی کا بیٹا اسی طرح خاموش سا کونے میں بیٹھ کر سب کو دیکھتا رہتا تھا۔

اس صبح سعدی کچن میں کھڑا برتن ڈش واشر میں سیٹ کر رہا تھا جب اسے کامنی کی آواز سنائی دی۔

''یہ تو مونچھ جتنا ہے۔'' سعدی ہاتھ پونچھتا باہر آیا تو دیکھا' وہ گردن اونچی کئے' ایک ہاتھ کمر پہ رکھے کھڑی افسردگی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''کینڈی میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔'' کامنی نے مڑے بغیر کہا۔ سعدی کی نظریں ٹی وی تک گئیں۔ ''تم نے نہیں دیکھا؟ صبح سے یہ خبر چینل پہ چل رہی ہے۔ غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ ایک عورت جاں بحق ہو گئی ہے' اور اس کا بچہ زخمی ہے۔ ہسپتال والے اس کا علاج نہیں کر رہے کیونکہ وہ غیر قانونی ہے۔''

''غیر قانونی'' لفظ پہ سعدی نظریں چراتا اندر کو مڑا جب وہ بولی۔

''بے چاری فلپینو عورتیں۔ نوکری کے لئے کتنے دھکے کھاتی ہیں۔ اور اس کے بچے کو کینسر ہے۔'' وہ ایک دم ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ ساکت۔ پھر دھیرے سے مڑا۔ نگاہیں اٹھائیں۔ اسکرین پہ اس بچے کی زخمی تصویر نظر آ رہی تھی۔

تصویر دیکھ کر اس کا سانس تھم گیا۔ وہ میری انجیو کا بچہ تھا۔

کافی شاپ کی اوپری منزل پہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک پلنگ رکھا تھا۔ الماری کا دروازہ شیشے کا بنا تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا غسل خانہ تھا۔ کمرے میں کھڑکی نہ تھی۔ سعدی خاموش سا بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔ سوچیں دل و دماغ میں طوفان برپا کر رہی تھیں۔ شور ہی شور۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا اور الماری کے دروازے میں اپنا عکس دیکھا۔ ''استرا'' پھیرے سر اور بڑھی شیو والا سعدی پریشان نظر آتا تھا۔

''میری کا ہی بچہ ہے وہ میں پہچانتا ہوں۔ مگر وہ تو امریکہ میں زیر علاج تھا نا۔ یہاں کیسے آ گیا؟''

آئینے میں اس کو اپنا عکس اسی طرح پلنگ کنارے بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے عقب میں... ایک اور عکس ابھرا۔ وہ ٹی شرٹ پہنے' کلین شیو اور گھنگریالے بالوں والا سعدی تھا۔ پرانا سعدی۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ وہ امریکہ میں تھا؟''

''میری نے بتایا تھا۔'' بیڈ کنارے بیٹھے لڑکے نے احتجاج کیا۔

''میری نے تو یہ بھی کہا تھا کہ تم انڈیا میں ہو۔ میری کو خود بھی معلوم نہ ہو شاید کہ اس کا بیٹا ادھر ہی ہے۔ تم نے میری کو استعمال کر کے جیل توڑی' انہوں نے اس جرم کی پاداش میں میری اور اس کے بیٹے کو دھماکے میں حادثاتی موت کا شکار کرنا چاہا۔''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''یہ ٹریپ ہے۔ وہ مجھے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ میری کا بچہ بالکل ٹھیک ہوگا اور خود میری بھی۔''

''اور اگر ایسا نہ ہوا؟ اگر تمہاری وجہ سے وہ مر گئی ہو اور اس کا بچہ آج بے یار و مددگار پڑا ہو تو پوچھ کس کی ہو گی' شفیع احمر؟'' گھنگریالے بالوں والے لڑکے نے طنز اور ملامت سے پوچھا تھا۔

''میں اب تمہاری طرح نہیں رہا۔ میں بدل گیا ہوں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ یہ فصیح کا کوئی پلان ہے۔'' وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔

''لوگ نہیں بدلا کرتے۔ تم بھی نہیں بدل سکتے۔''

''شفیع....'' دروازہ کھٹکا تو وہ چونکا۔ چوکھٹ میں کامنی کھڑی تھی۔

سعدی نے چونک کر آئینے میں دیکھا۔ وہ عکس اب غائب ہو چکا تھا۔ وہ وہاں تنہا تھا۔

''نیچے آجاؤ۔ گاہک آئے ہیں۔'' وہ پلٹنے لگی جب اس نے اٹھتے ہوئے پکارا۔

''کامنی جی۔'' وہ ٹھہر کر مڑی اور استفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر.... یہ ممکن ہو.... ہو سکتا ہے کہ یہ ممکن ہو کہ کوئی دوسرا انسان مشکل میں ہو اور اس کو بچانے کے لئے آپ کو اپنی جان خطرے میں ڈالنی پڑے تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟''

''انسان کو وہ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ ''انسان'' کہلاتا ہے' کیونکہ اگر وہ انسانیت نہیں دکھائے گا خطرہ نہیں لے گا تو وہ کیسا انسان ہوا؟ میں نہیں جانتی تمہیں مگر تمہارے لئے خطرہ مول لیا نا۔ اب فائدہ ہی اٹھا رہی ہوں نا۔'' نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ کر وہ مڑ گئی اور سعدی یوسف کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ میری کے بیٹے کو ڈھونڈنے جائے گا۔ بھلے آگے کچھ بھی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیرے نغمے تیری باتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی

ہمیں یہ چاندنی راتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی

اس صبح سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اپنے کمرے میں بیٹھی حنین' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' گھٹنوں پہ کمبل ڈالے' سست روی سے موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔ ان دو دنوں میں نہ فارس کا کوئی فون آیا۔ نہ سعدی نے امی کا اکاؤنٹ لاگ ان کیا۔ اب وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟ اس نے بھائی کا گروپ کھولا جہاں کی وہ خود بھی ممبر تھی' بلکہ امی کو تو بھائی نے ادھر کا ایڈمن بنا رکھا تھا اور خود وہ وہاں اپنی قرآن میں تدبر کی ویڈیوز پوسٹ کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کی پرانی ویڈیوز دیکھتی رہی۔ پھر گروپ کی وال چیک کی۔ لوگ اب بھی قرآنی آیات' لیکچرز اور اپنے اپنے تدبر پوسٹ کرتے تھے مگر سعدی والی بات کہاں تھی؟ وہ بے دلی سے وال نیچے کرتی گئی۔ دفعتاً ٹھٹکی۔ آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''ندرت ذوالفقار یوسف نے Ronald Weasley کو گروپ ممبر بنانے کی درخواست قبول کر لی ہے۔'' یہ ایک خبر تھی۔ اطلاع تھی۔

یعنی ایک شخص جس نے اپنا نام رونلڈ رکھا ہوا تھا' اس نے اس گروپ میں داخلے کی درخواست بھیجی اور اسے ندرت نے بطور ایڈمن قبول کر کے اسے گروپ میں داخل کرلیا۔ حنین بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ یہ پرسوں کی اطلاع تھی۔ پاسورڈ بدلنے سے بھی پہلے ندرت یوسف کی آئی ڈی یہ کام کر چکی تھی۔ سعدی ایک دفعہ زمر کے سوک نارئل میں رونلڈ ویزلی (ہیری پوٹر کا ایک کردار) بنا تھا۔ ندرت تو اس گروپ کو چیک بھی نہیں کرتی تھیں' کجا کہ داخلے کی درخواست قبول یا رد کرنا۔ دوسرے ایڈمنز یہ کام کرتے تھے۔

دو دن سے وہ رونلڈ ویزلی چند آیات پوسٹ کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی اور ان کے بارے میں اپنے "ریفلیکشن" لکھتا تھا۔ اسے کسی نے خاص توجہ نہیں دی تھی۔ دو چار لائکس آ گئے اور دو تین "سبحان اللہ' جزاک اللہ" لکھ کر لوگ آگے بڑھ گئے' مگر حنین نہیں بڑھ سکی۔ وہ وہیں ٹھہر گئی۔ بالکل ساکت و جامد۔

وہ آئی ڈی گویا خالی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا اس میں۔ وہ اسے صرف گروپ میں پوسٹ کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی تقریباً آدھی آیات اس نے لکھ ڈالی تھیں' پھر رک گیا تھا۔ شاید اس کے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ شاید وہ اب قرآن نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک انداز پہچانتی تھی۔ وہ اس کا بھائی تھا۔

حنین نے نم آنکھوں کے ساتھ اسکرین کو چھوا۔ اس نے پروفائل پکچر میں گلاب کا پھول لگا رکھا تھا جس کا سرخ خون بہہ رہا تھا۔ انسان جس بھی حالت میں ہو' قید ہو' یا آزاد ہو' وہ اپنی عادتیں نہیں چھوڑ سکتا تھا' وہ بھی خود کو بیان کرنے کے انوکھے طریقے نہیں چھوڑ سکا تھا۔

سرخ خون گراتا گلاب۔ اس ایک تصویر نے ہر شے کی عکاسی کر دی تھی۔ ایکدم اسکرین پہ ایک نمبر جلنے بجھنے لگا۔ میمونہ کی کال آ رہی تھی۔ حنین نے آنکھیں صاف کر کے فون کان سے لگایا۔ وہ اس کی "نگہبان" تھی۔ اس کو وہ روز رپورٹ کرتی تھی کہ آج اس نے کتنی نمازیں پڑھیں اور ماہ کامل کی صبح سے ان کی تعداد پانچ ہی ہوتی تھی۔ کل کی بھی پانچ تھیں۔ اس نے بہت ادب سے پچھلے دن کی رپورٹ پیش کی۔

"اللہ تمہیں اپنی نماز کی حفاظت کرنے والی اور ان پہ دوام اختیار کرنے والی بنائے۔ آمین۔" میمونہ نے فوراً سے دعا دی' پھر پوچھنے لگی۔ "اور تم اپنا قرآن کس وقت دہراتی ہو؟"

"جی؟" وہ بالکل دم بخود رہ گئی' پھر خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "میں حافظِ قرآن نہیں ہوں' صرف چند سپارے کیے تھے۔"

"حنین ہر مسلمان حافظِ قرآن ہوتا ہے اگر اس نے ایک آیت بھی حفظ کر رکھی ہو۔ چاہے صرف سورۃ فاتحہ' چاہے آخری چند سورتیں۔ کچھ بھی اگر اس نے یاد کیا ہے' کبھی تو وہ اسے ساری زندگی "نبھانا" پڑے گا۔ تم "نبھا" رہی ہو؟"

وہ چپ ہو گئی۔ میمونہ چند لمحے اس کے سانسوں کی آواز سنتی رہی۔

"میں نے بہت سے مسلمان دیکھے ہیں جو قرآن یاد کر کے بھول جاتے ہیں۔ پھر ان کی زندگیاں جہنم بن جاتی ہیں۔ ذہنی توازن کھو دیتے ہیں' کچھ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں' کچھ دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ جہنم میں بھی ان کے سر کچلے جائیں گے۔ بڑے بڑے پتھر مار کر۔ لیکن اکثر مسلمانوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی حفاظ کی کیٹگری میں آ گئے ہیں اگر چہ انہوں نے صرف کبھی الناس اور الفلق ہی یاد کی ہو۔"

"تو پھر ایسے لوگ کیا کریں؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"وہ دو باتیں ذہن میں پکی بٹھالیں۔ پہلی یہ کہ اگر انہیں لگتا ہے کہ قرآن کو دوبارہ یاد کیے بغیر ان کی نجات کی کوئی صورت ہے تو ایسا نہیں ہے۔ حرام ہے ان کے اوپر دنیا اور آخرت کا سارا سکون اور کامیابی جب تک وہ واپس اس قرآن کو یاد نہیں کریں گے۔ اور دوسری بات 'اگر انہیں لگتا ہے کہ عمر بڑھنے اور مصروفیات کی زیادتی کے باعث وہ اب آکر قرآن حفظ نہیں کر سکتے تو وہ غلط ہیں۔ قرآن ستر سال کی عمر میں بھی حفظ کیا جا سکتا ہے اگر بندے کے دل میں اللہ کی خشیت ہو۔"

"مجھ سے اب نہیں ہوگا۔" اس نے خود ہی طے کرلیا تھا۔

"ہوگا نہیں حنین' کرنا پڑے گا۔ آہستہ آہستہ شروع کرو۔ اللہ کہتا ہے نا' کہ "اس کو یاد کروانا ہمارے ذمے ہے۔" اور یہ کہ "ہم اسے آپ کو ایسے پڑھا دیں گے کہ پھر آپ نہیں بھولیں گے۔" تم شروع کرو گی دوبارہ حفظ کرنا اور اسے مکمل اللہ تعالیٰ کروائے گا۔' میمونہ بہت سلجھی ہوئی اچھی لڑکی تھی۔ سمجھداری کی باتیں کرتی تھی۔ مگراتنی اچھی باتیں کرلیتی ہوگی' حنہ کو پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔ اس کے دل میں امید سی بندھی۔

"او کے میں کوشش کروں گی۔"

"اور کس وقت کرو گی؟" وہ حیران ہوئی۔

"وقت ہی تو اہم ہے۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ "بے شک رات کا اٹھنا (تہجد میں اٹھنا) زیادہ شدید ہے نفس کو قابو کرنے کے لئے اور کلامِ پاک کو پڑھنے کے لئے۔۔ بے شک دن میں آپ کے لئے مصروفیات ہیں طویل۔"

"اسی لئے۔۔۔ قرآن فجر کے وقت ضرور پڑھنا چاہیے؟ منہ اندھیرے؟"

"حفظ کا تو وقت وہی ہوتا ہے۔ کیا تم نے وہ قول سنا ہے کہ حفظ کا بہترین وقت تہجد کا ہے' مطالعے کے لئے صبح کا وقت' لکھنے کے لئے دن کا وقت اور بحث و مباحثے کے لئے شام کا وقت۔"

"اچھا۔" وہ متعجب ہوئی۔ پھر بولی۔ "او کے۔ میں روز صبح فجر کے وقت اپنا قرآن دہراؤں گی۔"

"اور تمہیں کس نے یہ کہا ہے کہ قرآن صرف صفحے پہ ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے دہرا لینے سے یاد ہو جاتا ہے؟" میمونہ نرمی سے سوال پوچھتی تھی' ٹوکتی کم تھی' مگر حنین چپ سی ہو جاتی تھی۔

"پھر کیسے یاد ہوتا ہے؟"

"قرآن یاد ہوتا ہے کسی انسان کو روز سنانے سے اور پکا ہوتا ہے نماز میں روز اللہ کو سنانے سے۔ خود سے خالی خولی دہرا لینے سے کچھ یاد نہیں ہو جاتا۔ تم یوں کرو روز کا سبق اور پچھلا سبق مجھے فجر پہ سنا دیا کرو۔" وہ دو چھوٹے بچوں کی ماں تھی' پھر بھی یوں کہہ رہی تھی گویا سبق سننا اس کے لئے مسئلہ ہی نہ ہو۔

"او کے' میں نے آخری دس پارے کئے تھے یاد۔ پھر کل میں اکیسویں سیپارے سے سناؤں گی۔" وہ بھی جانے کیوں پر جوش ہو گئی تھی۔

''اور حنین، جب حافظِ قرآن اپنا قرآن بھول جاتے ہیں تو وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ قرآن اول پارے سے نہیں یاد کیا جاتا' آخر سے کیا جاتا ہے۔ تم کل مجھے صرف الناس اور الفلق سناؤ گی۔'' وہ سارے فیصلے خود ہی کر رہی تھی، مگر اچھی بات ہے۔ کچھ باتوں کے لئے ہمیں خود پختی کروانی پڑتی ہے۔

''اوکے، کل سے میں الناس سے شروع کروں گی۔'' پھر ٹھہر کر بولی۔ ''میمونہ باجی، ہو سکتا ہے میں.... اصل میں میرا بھائی.... وہ نہیں ہے اور میں پریشان رہتی ہوں تو کبھی ہو سکتا ہے سبق نہ کر سکوں تو....''

''تمہیں پتہ ہے لوگ مجھ سے اکثر پوچھ لیتے ہیں.... میں سائیکولوجسٹ ہوں نا تو وہ اکثر پوچھتے ہیں کہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، قرآن بھی پھر حاجتیں کیوں نہیں پوری ہوتیں؟ دولت، اولاد، اچھا رشتہ، اچھی نوکری، عزت، یہ سب کیوں نہیں ملتا۔ میں کہتی ہوں ان سب کے لئے قرآن اور نماز نہیں پڑھتے ہم۔ اور یہ سب نماز اور قرآن سے نہیں ملتا۔ یہ دعا سے ملتا ہے۔ دنیا کے سوا چھے ارب انسانوں کے پاس خواہشات کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے، مگر قرآن آپ کو وہ سب نہیں دے گا۔ قرآن آپ کو وہ دے گا جس کے لئے آپ یہ سب چاہتے ہیں۔ سکون اور برکت۔ میں لوگوں سے کہتی ہوں، قرآن حفظ کرنا شروع کر دیں، روز کی ایک آیت کریں، آپ سوچ نہیں سکتے آپ کی زندگی کتنی بابرکت ہو جائے گی۔ حنین تم حفظ شروع کرو، پہلے تو بڑوں کی زبردستی پہ کیا تھا تم نے حفظ، اب دل سے کرو گی تو دیکھو گی کہ تمہاری گھر میں وہ برکت اور وہ نور آ گیا ہے جس کے لئے لوگ مال، اولاد، خوبصورتی، اسٹیٹس، طاقت سب ہو کر بھی ترستے ہیں۔ تمہاری زندگی ''با برکت'' ہو جائے گی۔ تم آنکھیں بند کر کے میری بات پہ یقین کر لو۔ میں تجربے سے کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''یعنی اب میں پریشان نہیں ہوا کروں گی۔''

''ہوگی بھی تو قرآن تمہیں دلاسا دے گا۔'' اور یہ تسلی حنین کے لئے کافی تھی۔ ان گزرے چار دنوں میں پہلی دفعہ وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے
وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

وہ ہسپتال جہاں میری کا بچہ مبینہ طور پہ داخل تھا، کافی شاپ سے تیس پینتیس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔ وہ اس سے ذرا دور ٹنک سے اتر گیا تھا۔ نقشہ ذہن نشین کر کے نکلا تھا۔ سر پہ پی کیپ پہنے وہ محتاط نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتا چل رہا تھا۔ ہسپتال پہاڑی پہ اونچائی کی طرف تھا۔ وہ سڑک کی بجائے دوسری طرف سے پہاڑی پہ چڑھنے لگا تھا۔ گو کہ وہ میری اینجیو کے لئے فکر مند تھا مگر محتاط بھی تھا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ دور چائے کے باغات سے آتی سوندھی مہک نے سرسبز پہاڑیوں کو مزید سحر انگیز بنا دیا تھا۔ کہیں کہیں بادل گرجتے اور بجلی چمکنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ ایسے میں وہ خاردار اور دشوار ڈھلان پہ اپنے جوگرز کی مدد سے چڑھتا جا رہا تھا۔ ذرا اونچائی پہ

کرا سے ہسپتال کی عمارت دور سے دکھائی دینے لگی تھی۔ وہاں کچھ بھی غیر متوقع نہ لگتا تھا۔ معمول کا رش تھا۔ سب ٹھیک تھا۔

لیکن سعدی نے سر جھٹک دیا۔ اسے کامنی کی بات پہ عمل کرنا تھا۔ انسان کو انسان کے لئے خطرے مول لینے ہوتے ہیں۔ اگر وہ آج نہیں گیا تو ساری عمر پچھتائے گا اور پہلے زندگی میں پچھتاوے کم تھے جو مزید بوجھ اٹھاتا؟ کامنی نے بھی تو اس کے لئے خطرہ مول لیا تھا نا۔

اور یکدم کسی نے جیسے ٹھنڈی ٹھار برف سعدی کے اوپر گرا دی۔ ایک خیال نے اسے منجمد کر دیا۔ وہ بالکل ٹھہر گیا۔

لیکن کامنی تو غلط تھی! وہ کوئی ناکام عاشق تو نہیں تھا۔ وہ تو جھوٹی کہانی تھی۔ وہ ایک قاتل تھا اور ان کو دھوکہ دے رہا تھا۔ وہ ایک دم چونکا۔ کامنی نے غلط کیا تھا۔ وہ بھی غلط کر رہا تھا۔

ایک دم سے ساری تصویر اس کے اوپر واضح ہو گئی۔ کیبل نیٹ ورک میں سے کسی کو خرید کر ایک پٹی چلانا اور بار بار ایک تصویر دکھانا کیا مشکل تھا؟ فصیح جیسے لوگ تو ٹی وی چینلز کو خرید سکتے تھے' یہ سب تو بہت آسان تھا۔

وہ ایک دم تیزی سے پلٹا اور سبک قدموں سے ڈھلان اترنے لگا۔ تیز' مزید تیز۔ یہاں تک کہ اس کا سانس بے ترتیب ہونے لگا مگر رفتار بڑھتی گئی۔ یہ سب ایک پھندا تھا' وہ جان گیا تھا۔ اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا اور اب اسے جلد از جلد وہاں سے نکلنا تھا۔

وہ پہاڑی سے اتر کر سڑک پہ آ گیا اور سر جھکائے تیز تیز چلنے لگا مگر جلد ہی اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ مگر کوئی تھا۔ سعدی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ وہ مزید تیز چلنے لگا۔ اس کی حساسیت اب پہلے سے کہیں تیز ہو چکی تھی۔ کوئی اس کے عقب میں تھا۔ فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا مگر سعدی اس کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

جلد ہی بازار کا رش والا حصہ شروع ہو گیا۔ وہ اب تیزی سے لوگوں کے درمیان راستہ بناتا' قریباً بھاگنے لگا تھا۔ مگر کوئی مسلسل اس کے تعاقب میں تھا' سعدی یوسف کی چھٹی حس بار بار سرخ سگنل بجا رہی تھی اور اس کے سینے میں دھڑکتے دل کی رفتار بے قابو ہو رہی تھی۔

ایک گلی کا موڑ مڑ کر وہ ایک دم بھاگنے لگا۔ اندھا دھند۔ آگے پیچھے کے لوگوں کو ہاتھ سے پرے ہٹاتا' وہ بے قابو تنفس' اور سفید پڑے چہرے کے ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ وہ دیکھ لیا گیا ہے' وہ پکڑ لیا گیا ہے' یہ خیال جان لیوا تھا۔

بازار کی حدود سے وہ نکلا تو ایک کالونی شروع ہو گئی جیسے مری میں ہوتی ہیں۔ اونچی نیچی ڈھلان والی سڑک۔ وہ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتا بھاگ رہا تھا' دفعتاً احساس ہوا کہ پیچھے اب کوئی نہیں ہے۔ وہ گلی میں تنہا تھا۔ شام ڈھلتی جا رہی تھی۔ مغرب کی نیلاہٹ گہری ہو رہی تھی۔

ایسے میں وہ رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اسٹریٹ میں سکون تھا۔ سکوت۔ سب ٹھیک تھا۔ سرخ الارم بند ہو گیا تھا۔ اس کا تعاقب کار اب وہاں نہیں تھا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ واپس مڑا تو کسی نے زور سے اس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ سعدی دہرا ہو کر نیچے کو گرا۔ اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ پتھریلی سڑک پہ ہاتھ رکھ کر اس نے سر اٹھانا چاہا۔ تعاقب کار کے جوگرز اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتا' اس شخص نے یکے بعد دیگرے بوٹ اور مکے سے دو تین ضربیں رسید کیں۔ چند لمحوں کے لئے سعدی یوسف کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ ہر

شے' ہر احساس سن ہو کر رہ گیا جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔ جیسے موت آن پہنچی تھی.... اور وہ ایک بے حس و حرکت لاش بن چکا تھا۔

اسے اتنا احساس ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بند اور گردن ڈھلکی ہوئی ہے۔ اور کوئی اسے کندھوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف لے کر جا رہا ہے۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برس رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں پہ بادلوں سے برستی نمی پڑی تو ذہن کی تاریکی چھٹنے لگی۔ تعاقب کار نے سعدی کو درختوں کے ایک جھنڈ سے گزار کر کچی زمین اور گھاس پہ ایک طرف لا پھینکا تھا۔ سامنے ایک جھیل تھی' گھپ اندھیرے میں وہ جگہ کینڈی کی درجنوں جھیلوں کی طرح سنسان پڑی تھی۔ تکلیف کے باوجود سعدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے تیزی سے اٹھنا چاہا۔ مگر.... جیب خالی تھی۔

''کیا تم اس پستول کو ڈھونڈ رہے ہو' سعدی یوسف؟'' وہ جو گھٹنوں کے بل زمین پہ ہتھیلیاں رکھے اٹھنے لگا تھا' اپنے سامنے اس کی پستول لہرانے پہ.... وہ بالکل ٹھہر گیا۔ منجمد ہو گیا۔ اور پھر اس نے شکست سے سر گرا دیا۔ اسی طرح زمین پہ گرے ہوئے' جھکے ہوئے گہرے گہرے سانس لیتا۔ وہ گویا ڈھے چکا تھا۔ وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔

''تو کیا لگا تھا تمہیں؟ میرے ساتھ یہ گیمز کھیل کر تم چھپ جاؤ گے؟ تمہیں لگا میں تمہیں نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔'' غصے سے بولتے اس نے سعدی کے اس کندھے پہ بوٹ مارا جس پہ نوشیرواں نے گولی ماری تھی۔ درد کی ایک لہر اٹھی تھی جسے دبانے کو اس نے دانت پیستے ہوئے سر مزید نیہوا اڑ دیا۔

''تمہیں معلوم ہے میرے لئے کیبل نیٹ ورک پہ ایک خبر چلانا کتنا آسان تھا؟ تمہیں واقعی لگا میں تمہیں تمہارے ہول سے نہیں نکال سکتا؟'' وہ اس کے گرد طواف میں گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا' اور بات ختم کر کے اس نے زور سے اس کی ٹانگ پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ بالکل وہاں جہاں شیرو نے گولی ماری تھی۔ سعدی کراہ کر مزید دہرا ہو گیا۔ بارش اسی طرح ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔

''پھر بھی مجھے لگا تم نہیں آؤ گے۔ مجھے اپنی تلاش میں مزید خوار کرو گے۔ مگر نہیں۔ میری ایجیو اور اس کا بچہ تمہارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ ان کے لئے تم آئے۔'' اور پھر اس کی کمر پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا' اس ٹھوکر پہ درد سے مزید آگے کو جھک گیا' مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بس ہتھیلیوں سے زمین پہ رینگنے لگا۔ بمشکل چند قدم آگے بڑھ پایا کہ....

''میں کتنا خوار ہوا تمہاری تلاش میں اور تم۔ یہاں کینڈی میں چھپے بیٹھے ہو۔ تمہیں واقعی لگا کہ تم مجھ سے چھپ سکتے ہو؟'' اس نے سعدی کو گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا اور جھیل کے پانی میں اس کا چہرہ ڈبو دیا۔ ساتھ ہی وہ غصے سے بولتا جا رہا تھا۔ ''تمہیں لگا میں تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا؟ تمہیں لگا تم یوں چھپ کر بیٹھ جاؤ گے اور سب صحیح ہو جائے گا؟ بزدل انسان۔''

اسے زور کی ڈبکی دے کر اس نے اس کا سر نکالا اور چھوڑ کر سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بس گیلا چہرہ اوپر کر کے' آنکھیں موندے' گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

''آٹھ ماہ... آٹھ ماہ میں نے... قید میں سوچا...'' سعدی نے نیم غنودہ سی آنکھیں کھول کر نقاہت سے سامنے افق پہ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر کہنا

چاہا۔" کہ وہ لمحہ کیا ہوگا۔ جب ہم ملیں گے۔ مجھے لگا تھا... آپ مجھے گلے سے لگائیں گے' مگر... مگر آپ تو مجھے مار رہے ہیں' فارس ماموں!"

اور یہ کہنے کے ساتھ سعدی نے بھیگی آنکھوں کا رخ پھیرا اور اسے دیکھا۔ جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جھیل کی طرف پشت کیے... اور سعدی کی طرف چہرہ کیے... وہ اس کے سامنے کھڑا تھا... جینز کے اوپر بھوری جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال اسی طرح چھوٹے تھے اور ماتھے پہ بل تھے ... وہ اس کے سامنے کھڑا تھا... دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ ڈھکے' وہ سنہری آنکھوں میں شدید غصہ لئے اسے گھور رہا تھا... اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کی برہمی صاف دکھائی دیتی تھی... وہ اس کے سامنے کھڑا تھا... تڑتڑ برستی بارش اس کو بھگو رہی تھی... اس کے خفا چہرے پہ پانی کے قطرے لڑھک رہے تھے۔

فارس غازی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیوں؟" اس نے تکان سے فارس کا چہرہ دیکھ کر دہرایا۔ "آپ کیوں مجھے مار رہے ہیں؟"

اس بات پہ فارس مڑ گیا' سعدی کی طرف کمر کر لی' اور پھر تیزی سے واپس گھوما اور زور دار مکا سعدی کے جبڑے پہ دے مارا۔ "کیونکہ تم اسی قابل ہو!"

یہ پہلی چوٹ تھی جو بری طرح سے لگی تھی۔ سعدی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھے' چہرہ جھکا دیا۔ شدید درد سے آنکھیں میچ لیں۔ پانی کے قطرے اسکے چہرے پہ مسلسل گر رہے تھے اور لبوں سے خون رسنے لگا تھا۔ بہت سا پانی آنکھوں میں بھی جمع ہو رہا تھا مگر ہر آنسو --- اذیت کا آنسو نہیں ہوتا۔ نہ وہ خوشی کا ہوتا ہے' نہ دعاؤں کی قبولیت کا' نہ محبت کا' نہ شکوے کا۔ وہ بس آنسو ہوتا ہے اور اسے بہنا ہوتا ہے۔

"میں سمجھا..." سعدی نے چہرہ جھکائے.. آستین سے منہ رگڑا۔ "یہ فصیح ہوگا۔"

"وہ تمہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ جو اسے معلوم ہو' ہمارا یونیورسل رحم دل سعدی کس بات پہ نکلے گا اپنے ہول سے۔" طنزیہ سادہ غرایا تھا۔ "میری انجیو۔ اور اس کا بیٹا۔" دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے "بہت ہو گیا" والے انداز میں کہا۔ "بس یہی دو ہم لوگ رہ گئے تھے تمہاری زندگی میں جو ان کے لئے خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے۔ اور تمہارا خاندان؟ تمہاری ماں' تمہارے بہن بھائی' وہ سب جو تمہاری ایک کال کے لئے ترس رہے تھے' ان کا کیا؟ ہاں؟" اور بات کے اختتام پہ فارس آگے آیا' اور اس کو گدی سے پکڑ کر سر کو نیچے جھکا کر گویا جھنجوڑا' پھر جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ سعدی نے جھکا سر نہیں اٹھایا۔ آنسو اسکے چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔ بارش کے قطروں جیسے آنسو۔

"بزدل انسان۔" وہ اب اس کی جانب پشت کر کے اور جھیل کی طرف چہرہ کیے دور جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ خفا تھا' وہ غصے میں تھا۔

"اگر کوئی چیز میں تمہیں بھیج سکتا ہوں تو کیا یہ نہیں جان سکتا کہ تم وہاں سے بھاگ گئے ہو؟ کیا ایک پیغام نہیں چھوڑ سکتے تھے تم میرے لئے؟ ہزار طریقے تھے پیغام دینے کے مگر نہیں۔" اس کی سنہری آنکھیں جو جھیل کے پانی پہ جمی تھیں' ان میں دکھ سا ابھرا۔ "تمہیں لگا فارس تمہارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔"

سعدی نے گیلی آنکھیں اور گیلا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ پہلو میں گرے دائیں ہاتھ کی پشت پہ سعدی کا

خون لگا تھا۔

"تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی کہ میں آؤں گا۔ تمہیں لگا ہی نہیں کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم نے سوچا اگر وہ آٹھ ماہ نہیں آیا تو اب کیا آئے گا؟ مگر جنگ وہ جیتتا ہے سعدی یوسف جسے معلوم ہوتا ہے کہ کب لڑنا ہے اور کب نہیں لڑنا۔"

سعدی گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔ گیلی کیچڑ والی زمین پہ۔ اب آہستہ سے اٹھا۔ انگ انگ دکھ رہا تھا۔ مگر کراہ نہیں نکلی۔ ہر مار بری نہیں لگتی۔ کوئی اچھی بھی لگتی ہے۔ کوئی مارنے والا بھی اچھا لگتا ہے۔

"لیکن اگر تم میں اتنی عقل ہوتی تو میرے پاس آتے پہلے دن' مگر نہیں... تم کاردارز کے پاس چلے گئے۔ ان کو کنفرنٹ کرنے۔ تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی سعدی۔" وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ سعدی قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹ سے خون ہنوز رس رہا تھا۔ وہ فارس کو دیکھ رہا تھا اور فارس ابرو بھینچے' ماتھے پہ بل لئے' سامنے جھیل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"پہلے بھی تم نے یہی کیا' ہر چیز اکیلے کرنی چاہی۔ اور اب بھی تمہیں لگا کہ تم یوں...."

سعدی آگے بڑھا اور اس کے گلے لگ کر' اسکے کندھے پہ اپنی آنکھیں رکھ کر... رونے لگا۔ چھوٹے بچوں کی طرح.... آواز سے.... سسکیوں سے ہچکیوں سے....

فارس کے الفاظ خود بخود ٹوٹ گئے۔ اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ نگاہوں میں نرمی سی ابھری۔ غصے کا ابال ٹھنڈا ہوا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا' پھر ہلکا سا اس کے کندھے کو تھپکا۔ "اچھا بس ٹھیک ہے۔" آواز میں وہی سختی تھی۔ پھر چہرے کو دوبارہ برہم بنا لیا' پیشانی کی سلوٹیں واپس لے آیا اور اسے شانوں سے پکڑ کر پرے کیا۔

"اچھا۔ اب دور ہٹو۔ میری بیوی پہلے ہی مجھ پہ شک کرتی ہے۔" اکتا کر کہتا وہ مڑ گیا' سعدی کو اس کی آواز گیلی لگی تھی' مگر اس نے فارس سے نظریں نہیں ملائیں۔ ملا نہیں سکا۔ بس چہرہ جھکائے' اپنی آنکھیں رگڑنے لگا۔ آنسو ابھی تک امڈ امڈ کر آ رہے تھے اور وہ کہیں دور.... سندر بن کے کسی گھنے جنگل میں.... بے خوف ہو کر.... کسی درخت تلے بیٹھ کر.... ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آہ یہ ظالم تلخ حقیقت جتنے سفینے غرق ہوئے

اکثر اپنی موج میں ڈوبے' طوفان سے ٹکرائے کم

اس پرتعیش ریسٹورانٹ کے ماحول کو مدھم زرد بتیوں نے پرفسوں اور سحر انگیز بنا رکھا تھا۔ اس کارنر ٹیبل پہ رکھے اسٹینڈ میں کھڑی تینوں موم بتیاں روشن تھیں اور ان کے دونوں اطراف میں بیٹھے ہارون اور جواہرات ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کھانا ابھی تک نہیں آیا تھا مگر جواہرات یہاں کھانا کھانے نہیں آئی تھی۔

سلک کی سبز قمیص میں' بالوں کو سمیٹ کر چہرے کے دائیں طرف ڈالے' وہ گہرا میک اپ اور قیمتی نگینے پہنے ہوئے تھی۔ ہارون کا سوٹ

گہرا نیلا تھا اور سرمئی آنکھیں وہ کبھی جواہرات پہ ڈال لیتے کبھی اپنے فون پہ۔

"جو تمہاری مخالف کے ساتھ میں نے کروایا' اس پہ تم نے شکریہ نہیں کہا۔" مسکارے سے لدی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ گلہ کرنے لگی۔

"میں نے تمہیں کچھ بھی کرنے کو نہیں کہا تھا۔" جواہرات کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں بے چینی جھلکی۔ "مگر میں نے تمہارا انتقام لیا اس سے۔ اس نے تمہاری....."

"جب میں نے تمہیں کہا ہی نہیں تو تم مجھے کیوں جتا رہی ہو؟ تم نے جو کیا اپنے لئے کیا۔" شانے اچکا کر انہوں نے گلاس سے گھونٹ بھرا۔ جواہرات پیچھے ہو کر بیٹھی' اور سینے پہ بازو لپیٹے' تیکھی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ "تمہارا رویہ بدلا بدلا سا ہے۔"

ہارون نے گلاس رکھ کر سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"تمہارا بیٹا میرے گھر میں گھس کر..... مجھے ہی دھمکی دے کر جاتا ہے اور تم کہتی ہو کہ میرا رویہ بدل گیا ہے؟"

جواہرات کے تاثر نرم پڑے' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "میں اس کے لئے معذرت کر چکی ہوں۔ میں نے ہاشم کا ساتھ صرف اس لئے دیا تاکہ اس کو شک نہ ہو کہ سعدی کو مارنے کے لئے گارڈ کو ہم نے بھیجا تھا۔"

"ہم نے نہیں' تم نے بھیجا تھا۔ میں ان معاملوں میں شریک نہیں ہوں' صرف تمہارے لئے اپنے بندے پیش کر دیتا ہوں۔" انہوں نے سختی سے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"اچھا ٹھیک ہے' ہو گیا جو ہونا تھا۔" اس کا انداز بہلانے کا سا تھا۔ نرمی سے ان کے ہاتھ کو دبا کر بولی۔ "اب وہ سب ماضی میں رہ گیا۔ کیوں نا ہم اب مستقبل کی بات کریں۔" ہارون نے ایک نظر اس کے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ کو دیکھا جو ان کے ہاتھ پہ بہت لجاجت سے رکھا گیا تھا۔ پھر گہری سانس لے کر چہرے کی سلوٹیں ذرا کم کیں۔

"مستقبل؟ تمہارے ساتھ مستقبل گزارنے کے لئے مجھے تمہارا اعتماد کمانا تھا جو تم بھیک میں بھی نہیں دیا کرتیں۔"

"کیا تمہیں لگتا ہے تم نے ابھی تک میرا اعتماد نہیں کمایا؟" وہ مسکرا کر بولی تو ہارون ذرا سا مسکرائے۔ "کیا میں نے کما لیا ہے؟"

"جس طرح تم نے اپنے بندے میرے لئے پیش کئے' میرا ساتھ دیا اس.....ورمر جیسے مسئلے سے نپٹنے کے لئے..... میرے دل میں تمہاری قدر مزید بڑھ گئی ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ہم ماضی کی ساری تلخ یادیں بھلا کر اپنے مستقبل کو تعمیر کریں۔" زرد روشنیوں سے مزین پر فسوں ماحول میں وہ آس پاس لگی محفل سے بے نیاز' بے خبر' آنکھیں ان کی آنکھوں پہ جمائے ہوئے تھی۔ "میں چاہتی ہوں ہارون' کہ میں اور نگزیب کے دیے سارے زخموں کو اپنے دل سے کھرچ کر تمہارے ساتھ زندگی کا ایک نیا باب شروع کروں۔ ہم دونوں "ایک" بن کر اپنے ambitions کے لئے جدوجہد کریں۔ دولت' طاقت' اپنی ہر شے کو اکٹھا کر لیں اور مل کر اپنے طبقے پہ حکمرانی کریں۔" اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ہارون نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"اور تمہارے بیٹے؟"

"وہ کھلے ذہن کے ہیں۔ ان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہمیں اس مہینے کوئی اناؤنسمنٹ کر دینی چاہیے تاکہ ہمارے حلقہ احباب میں سب کو پتہ چل جائے کہ ہم...." وہ جوش سے کہہ رہی تھی جب....

"اور میرا اعتماد؟" انہوں نے سکون سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ ملکہ بولتے بولتے رکی۔ ہارون پہ جمی اس کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"میرا اعتماد جواہرات؟ تم نے اسے کمایا ہے کیا؟"

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

"جو عورت اپنے محبوب بیٹے سے جھوٹ بولے' وہ قیدی جس کو اس نے اپنی امان میں لے رکھا تھا اس کو مروانے کی سازش کرے' جو اپنے شوہر سے شادی کے دوران بھی اپنے ایک کزن سے تعلق قائم رکھے' انکار مت کرنا کیونکہ بہت سے لوگ اس قصے سے بھی واقف ہیں۔ میں اس عورت پہ کیسے اعتبار کر سکتا ہوں؟"

وہ بالکل پتھر ہوئی' بنا پلک جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ گویا ریت کا مجسمہ ہو۔ ہاتھ لگانے سے ڈھے جائے گی۔

"تمہیں لگا تھا میں تمہیں اپنا لوں گا؟" وہ اس کے قریب جھکے اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "کیا تمہیں وہ وقت بھول گیا جب میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا اور تم نے انکار کیا تھا؟ تم مجھے خود اس مقام تک لائی تھی جہاں آکر میں تمہیں انگوٹھی پیش کر سکوں اور پھر جب میں نے یہ کیا تو تم نے مجھے دھتکار دیا۔" اس کے کان کے قریب وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے اور وہ بالکل پتھر ہوئی سن رہی تھی۔

"میں نے تمہارا ساتھ تمہارا اعتماد کمانے کے لئے نہیں دیا' تمہیں اس مقام تک لانے کے لئے دیا تھا جہاں تم مجھے انگوٹھی پیش کرو اور میں تمہیں دھتکار سکوں۔ اور تمہارا احسان لوٹا سکوں۔ میں خوش ہوں کہ تم نے مجھے انکار کیا۔ تمہارے جیسی ذہنی مریض عورت کے ساتھ زندگی گزارتا تو شاید میں بھی اورنگزیب کی طرح قبر میں پڑا ہوتا۔ تمہیں لگا ہم دوست ہیں مگر بیگم جواہرات کاردار...." ان کی آواز سرگوشی سے بھی ہلکی تھی۔ "میں تم سے نفرت کرتا ہوں' اور بہت جلد بہت دلچسپی سے تمہاری اور تمہارے خاندان کی بربادی کا تماشا دیکھوں گا' کیونکہ تم نے میری سیاسی حریف کا اسکینڈل بنوا کر اسے اپنا دشمن تو بنایا ہی ہے' مگر اس کے علاوہ بھی تم اپنے ایسے دشمنوں سے ناواقف ہو جن میں تمہیں چت کرنے کا ٹیلنٹ موجود ہے۔ جلد ہم تماشا دیکھیں گے' لیڈی کاردار۔" کہنے کے ساتھ اس کے ہاتھ کو جھٹک کر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھ گئے۔ وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ' بے دم سی بیٹھی' ویران آنکھوں سے سامنے خلا میں دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاید خوشی کا دور بھی آجائے اے عدم

غم بھی تو مل گئے ہیں تمنا کے بغیر

کینڈی میں بارش اب تھم چکی تھی۔ رات پوری طرح سیاہ ہو چکی تھی اور شہر کی بتیاں جل اٹھی تھیں گویا دور دور تک ٹمٹماتے سنہری دیے بکھرے ہوں۔ ایسے میں پہاڑی کے اوپر ایک مندر سا بنا تھا' جس کے باہر چوڑی اور طویل سیڑھیاں بنی تھیں۔ عبادت اور سیاحت کے

لئے آئے لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہے تھے‘ کچھ کھڑے تصاویر بنوا رہے تھے‘ غرض ہر طرف گہما گہمی تھی۔ آخری سے اوپر سیڑھی پہ سعدی بیٹھا تھا اور ٹشو سے پونچھتا ہوا‘ جسے خون والا ہونٹ دبا رہا تھا۔ فارس چلتا ہوا آیا اور آئس پیک اور مرہم کا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

”سوری اس کے لئے۔“ اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ کس چوٹ کی بات کر رہا تھا۔ سعدی نے جل کر اسے دیکھا اور رکھائی سے اس کے ہاتھ سے شاپر لیا۔

”ہاں صرف اس کے لئے سوری‘ باقی جو دو سو بہتر چوٹیں لگائیں‘ ان کی تو خیر ہے‘ وہ تو آپ کے لیے لہو گرم رکھنے کے بہانے ہیں۔“

”بکواس نہ کرو۔“ وہ خفگی سے سر جھٹک کر کہتا اس کے قریب سیڑھی پہ بیٹھا۔ سعدی بڑبڑا کر اپنے ہونٹوں پہ آئس پیک رکھنے لگا۔ گرم گرم زخم کو ٹھنڈک ملی۔ اف۔

”اور؟“ فارس گھٹنوں پہ بازو رکھے‘ آگے کو ہو کر بیٹھا تھا‘ ایسے میں جب بولا تو آواز میں سختی کم تھی۔ ”کیسے ہو؟“

سعدی کے زخم پہ زور سے برف لگی تھی‘ اندر تک کچھ پگھل کر جما تھا‘ جم کر پگھلا تھا۔ اس کی گردن کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ اس سوال کا جواب بہت طویل تھا‘ اور اس کا جواب بہت مختصر تھا۔

”زخمی ہوں۔“ وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولا تھا۔

”بالوں کو کیا کیا ہے؟“

”جو نظر آ رہا ہے۔“

”کہا نا سوری۔ مجھے غصہ تھا تم پہ‘ بہت۔“

سعدی نے بڑبڑا کر سر جھٹکا۔ فارس اسی طرح گردن موڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ سر سے پاؤں تک۔

”کہاں رہ رہے ہو؟“

”ایک کافی شاپ ہے۔ اس کی مالکن کا اعتماد جیتا تو اس نے رہنے دیا مجھے۔“ پھر نظروں کا زاویہ گھما کر فارس کو دیکھا۔

”آپ نے کیسے ڈھونڈا مجھے؟ کینڈی کا کیسے پتہ چلا؟“

”حنین نے بتایا تھا۔ ندرت آپا کا اکاؤنٹ کھولتے تھے تم تو ان کو ای میل آ گئی کہ کینڈی سے کھل رہا ہے اکاؤنٹ۔ میری ایک پرانی کولیگ تھی‘ جس کے اریسٹ وارنٹ کی مخبری کرنے پہ مجھے سزا ملی تھی۔ وہ ایمبیسی میں ہوتی ہے۔ اس کا جاننے والا ایک نمونہ تھا۔ اس کے پاس گیا میں۔ اس نے تمہیں بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ پھر میں نے اسے بولا کہ انعامی رقم کا آدھا دوں گا‘ سے تمہارا پوسٹر ڈارک سائیٹس پہ ہر جگہ گھوم رہا ہے‘ وہاں سے رقم وہ دیکھ چکا تھا۔ مگر اسے یقین تھا میں نے تمہیں ڈھونڈ کر گولی مار دینی ہے۔ اور واللہ دل میرا بھی یہی تھا خیر۔“ اس نے سر جھٹکا اور بتانے لگا۔ ”میں نے اس کو کہا کہ تمہیں باہر نکلنے کے لئے تمہاری مہربان طبیعت کو استعمال کرتے ہیں۔ (سعدی خفگی سے کچھ بڑبڑایا تھا جو اگر فارس کے کانوں تک پہنچ جاتا تو اسکا دوسرا ہونٹ بھی پھٹ جانا تھا۔) ہم نے کیبل نیٹ ورک پہ

خبر چلوائی۔ ذرا سا کام تھا۔ جانتا تھا تم نیوز ضرور دیکھتے رہو گے۔ اگر نیٹ استعمال کر سکتے ہو تو نیوز بھی دیکھ سکتے ہو۔ اور بس' تم میری کے بیٹے کو بچانے فوراً آ گئے۔" ساتھ ہی برہمی سے اسے دیکھا۔ "کم عقل!"

سعدی خاموشی سے برف کا پیک گال پہ رکھ کر دبانے لگا۔ فارس نے گہری سانس لی۔ "پوچھا تو نہیں ہے تم نے مگر پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ تمہارے گھر والے کیسے ہیں۔" فارس سامنے دیکھتے ہوئے ذرا نرمی سے کہنے لگا۔ "تمہاری امی ٹھیک ہیں' صحت بھی ٹھیک ہے' ریسٹورانٹ جاتی ہیں' پہلے ہم انیکسی میں رہتے تھے' پھر میں نے وہ اس بوڑھی جادوگرنی کو بیچ دی' اور ہم تمہارے پرانے گھر کے قریبی علاقے میں آ گئے۔ تمہارے بڑے ابا پہلے سے زیادہ نحیف لگتے ہیں مگر اندر سے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور زمر..." سامنے ٹہلتے دیکھتے فارس کی سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ "زمر ہمیشہ کی طرح "زمر" ہے' مگر تمہارے لئے وہ بہت..... بہت کام کرتی ہے۔ حنین...

(سعدی نے اس نام پہ پہلو بدلا اور زور سے برف ہونٹ پہ دبائی۔) وقت کے ساتھ بہت مثبت ہوتی جا رہی ہے۔ زمر اور اس کی دوستی ہو گئی ہے۔ سیم بھی اب بہن سے نہیں لڑتا۔ دونوں اکثر ساتھ آتے جاتے ہیں۔ سیم کے اسکول میں...."

"آپ کیسے ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے فارس کو دیکھ کر بات کاٹی تو وہ ٹھہر گیا۔ منجمد ہوا۔ لاجواب ہوا۔ چہرہ موڑ کر سعدی پہ نظریں جمائیں۔

"میں؟" ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "ٹھیک ہوں۔"

"اور میں سعدی ہوں!" وہ زخمی سا مسکرایا۔ پہلی بار وہ مسکرایا۔ "کل بھی اپنے گھر والوں کی آنکھوں سے ان کے دل کا حال پڑھ لیتا تھا' آج بھی پڑھ سکتا ہوں۔"

"مجھے کیا ہونا ہے سعدی؟"

"آپ بھی زخمی ہیں۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتا' گویا پڑھ کر بتا رہا تھا۔ "اندر تک زخمی ہیں۔ فرسٹریٹڈ ہیں۔ کرب مسلسل میں ہیں۔ لوگوں سے خفا ہیں۔ دکھی ہیں۔ مگر جو اہداف آپ نے زندگی میں طے کر لئے ہیں' ان کی طرف جانے کی تگ و دو میں لگے ہیں۔ مجھ سے مل کر آپ کے چہرے پہ خوشی بھی ہے اور سکون بھی' مگر کاملیت نہیں ہے کسی احساس میں۔ جیسے یہ آپ کا صرف پہلا ہدف تھا' آپ مجھے واپس لے جانا چاہتے ہیں' اور پھر اپنے اگلے ہدف میں مصروف ہو جانا چاہتے ہیں۔ اب بھی آپ ذہن میں لائحہ عمل طے کر رہے ہیں مگر یہ سب کر کے آپ اندر سے تھک چکے ہیں.... اور شاید..." اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے فارس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا۔ "شاید مایوس بھی...."

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' اس کے چہرے پہ کوئی احساس نہ تھا اور اس کے چہرے پہ سارے احساس تھے۔ گردن کی گلٹی بھی ڈوب کر ابھری تھی۔ آنکھوں میں بے بسی کے سائے تھے اور ان میں کہیں دور ٹمٹماتے دیئے بھی تھے۔ وہ امید' اور مایوسی کے درمیان کہیں معلق تھا' شاید اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھو چکا ہے۔

"سعدی!" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دھیرے سے بولا۔ "ایک بات میں تمہیں نہیں بتا سکا۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے

گھر میں ایک حادثہ ہوا ہے۔"

سعدی ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور خوف لئے' اس نے بے قراری سے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"تمہیں اپنا دل بڑا کر کے سننا ہو گا۔ جو خبر میں تمہیں دینے جا رہا ہوں' وہ تمہیں اندر تک ہلا دے گی۔ تمہارے گھر کے ایک فرد نے بہت فاش غلطی کر دی ہے' جس کا خمیازہ اسے ساری زندگی بھگتنا پڑے گا۔"

"مجھے بتائیں' کیا ہوا ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔ دل لرز رہا تھا۔ (حنین؟) فارس نے ہمدردی سے اسے دیکھتے' دھیرے سے کہا۔

"صداقت نے شادی کر لی ہے' وہ بھی ایک حسینہ سے۔"

ایک لمحے کو سعدی بالکل ساکت سا اسے دیکھے گیا' اور پھر... وہ ہنس پڑا۔ دل کھول کر۔ گردن پیچھے پھینک کر وہ ہنستا جا رہا تھا۔ فارس بھی سر جھکائے ہنسنے لگا تھا۔ ارد گرد گزرتے لوگوں نے مڑ مڑ کر ان دونوں کو دیکھا تھا' جو دونوں بارش کے باعث ابھی تک گیلے کپڑوں میں بیٹھے تھے' کپڑوں پہ کیچڑ بھی لگا تھا اور پھر بھی وہ ہنستے جا رہے تھے۔

دفعتاً فارس کا فون بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ پھر میسج پڑھ کر واپس جیب میں ڈال دیا۔

"کون ہے؟"

"اسی ٹموں نے کا میسج تھا۔ آبدار کا نمبر دے کر اسے کہا تھا کہ اس کی لوکیشن پتہ کرو' وہ کہہ رہا ہے کہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔ اور اپنے پیسے مانگ رہا ہے۔"

"تو پیسے دیں گے آپ؟" سعدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے باپ کی فیکٹریاں لگی ہیں جو میں پیسے دوں گا؟" وہ بگڑ کر بولا۔ سعدی مسکرا دیا۔

"تو اسے کیا کہا؟"

"یہی کہ نہیں دیتا' بے شک پولیس کے پاس چلے جاؤ۔" اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنس دیے۔ پھر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو آؤ سعدی میں تمہیں کھانا کھلاتا ہوں۔" اس کا کندھا تھپک کر وہ بولا تھا۔ (اف۔ اسی جگہ جہاں ٹھوکر ماری تھی۔)

"بہت شکریہ۔ جو پہلے کھلایا تھا اس سے میرا پیٹ بھر چکا ہے۔" وہ جل کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے ہنس کر سر جھٹکا اور زینے اترنے لگا۔

"اور یہ آبدار کا کیا قصہ ہے؟ پہلے اس کے ذریعے مجھے پیغام بھجواتے رہے' اب اس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ کر کیا رہی ہے آپ کے ساتھ؟" مشکوک نظروں سے اسے دیکھتا وہ اس کے ساتھ زینے اتر رہا تھا۔

"زیادہ میرا دماغ خراب نہ کرو ایسے مجھے دیکھ کر' بھتیجے تم اسی کے ہو آخر...."

وہ دونوں اب دور جا رہے تھے اور ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے قاتل کو پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

پھر سے مقتل کو سنوارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

صبح اپنے ساتھ ڈھیروں سرد ہوائیں لئے نمودار ہوئی تھی۔ دھند بڑھ گئی تھی۔ سورج چھپ گیا تھا۔ سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو ایک سنگل بیڈ رکھا تھا اس پہ گلابی بیڈ کور بچھا تھا اور حنین اکڑوں بیٹھی' سر پہ دوپٹہ لئے فون کان پہ لگائے سنا رہی تھی۔ "ویل لکل همزة لمزة...آ...آ..." رک کر سوچا۔ آنکھیں میچ کر۔

"الذی جمع مالاً وعدده۔" دوسری طرف میمونہ نے نرمی سے بتایا تھا۔ "یہ تمہاری کل بھی غلطی ہوئی تھی حنہ۔"

"حالانکہ جب میں نے یاد کیا تھا تب ٹھیک یاد تھا۔" وہ روہانسی ہوئی۔ ایک تو کچھ دن سے اس کی گردن (مسلسل موبائل اور کمپیوٹر اسکرین پہ چہرہ جھکانے کے باعث) شدید درد کرنے لگی تھی۔ زیتون کے تیل کی مالش' پٹھوں کی سوجن کم کرنے والی کریم اور گردن کی ایکسرسائز' سب کر کے دیکھ لیا مگر فرق ندارد۔ امی کی ایک کزن ڈاکٹر سے بھی پوچھا تو انہوں نے کہا کہ گردن میں کالر پہنا کرو۔ اور گردن کم جھکایا کرو۔ یہ حفظ سے پہلے کی بات ہے۔ اب حفظ شروع کرنے کے بعد گردن مزید جھکانی پڑتی قرآن پڑھتے وقت' (یعنی گردن کے پٹھے اب مزید خراب ہوں گے) مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے محسوس کیا تھا کہ بلا مبالغہ ہر روز اسے کوئی چھوٹی موٹی چوٹ لگ جاتی تھی۔ کبھی وہ بیڈ کے کنارے سے ٹکرا گئی' کبھی پاؤں رپٹ گیا اور گھٹنا چھلا گیا۔ کبھی بخار کبھی آدھے سر کا درد۔ اف' وہ کہاں جائے؟

ادھر میمونہ کہہ رہی تھی۔ "جو بھی حفظ کرنا ہو پہلے اسے دیکھ کر دس دفعہ پڑھا کرو۔ ہر آیت یاد کرنے کے بعد اسے پچھلی تمام آیات سے ملا کر دہراؤ۔ اور سنو' قرآن نیچے رکھ کر گردن جھکا کر نہ یاد کیا کرو۔ انسانی دماغ وہ الفاظ نہیں صحیح سے حفظ کر پاتا جن کے لئے گردن جھکائی جائے۔ صرف وہی یاد کرے گا جو اس کو آئی لیول پہ نظر آئیں' یعنی قرآن ہو یا کورس کی کتاب کا رٹا لگانا ہو' کتاب کو اٹھا کر چہرے کے برابر لا کر یاد کیا کرو۔"

میمونہ کے پاس ان گنت ٹپس ہوتی تھیں جو وہ وقتاً فوقتاً شیئر کرتی رہتی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد حنہ نے سوچا۔ کیا حفظ سے کچھ بدلا تھا؟ سوائے صبح جلدی اٹھنے کے (جس سے دل میں ہلکی سی خود پسندی بھی جاگی تھی کہ اب تو میں اچھی ہو رہی ہوں۔) کوئی برکت' نور وغیرہ؟؟ مگر ابھی وہ کوئی خاص اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔ دفعتاً چوکھٹ میں زمر نظر آئی۔ گھنگریالے بالوں کی پونی باندھے' ناک میں سونے کی نتھ پہنے' وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"میں شیرو کے آفس جا رہی ہوں۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔"

حنین چھلانگ مار کر نیچے اتری' اور بک شیلف پہ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھا کر زمر کو دی۔ "یہ صرف ہاشم کے لیپ ٹاپ میں لگا دیں اور..." وہ جوش سے سمجھا رہی تھی اور زمر غور سے فلیش ڈرائیو کو دیکھتی سن رہی تھی۔

چند کلومیٹر کے فاصلے پہ واقع قصر کاردار کو بھی سرمئی دھند نے اپنے پروں تلے دبا رکھا۔ لاؤنج میں ملازموں کی گہما گہمی لگی تھی مگر ڈائننگ ہال

خالی تھا۔عرصہ ہوا وہ تینوں اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرنا چھوڑ چکے تھے۔

ہاشم صبح سویرے آفس میں جا چکا تھا۔نوشیرواں اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا اور جواہرات...اس کا کمرہ خالی تھا۔بیڈ پہ بیڈ کور آدھا زمین پہ گرا تھا۔ڈریسنگ ٹیبل پہ پرفیومز کی ٹوٹی بوتلیں بکھری تھیں۔کل رات کے پہنے جوتے ادھر ادھر پڑے دکھائی دیتے تھے۔رات والا زیور بھی گویا نوچ کر اتار پھینکا پڑا تھا۔ایک دیوار پرفیوم کی شیشی کے مارے جانے کا نشان بھی تھا اور کمرہ بے حد معطر تھا۔

باتھ روم کے آدھی دیوار پہ لگے آئینے کے سامنے کھڑی جواہرات سرخ بھیگی آنکھوں سے اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔سلیولیس نائٹی میں اس کے بازوؤں کے فریکلز نظر آ رہے تھے۔بکھرے بال'رات کا آدھا مٹایا' آدھا موجود میک اپ۔وہ بیمار اور بوڑھی لگنے لگی تھی۔اس کا دل بوڑھا ہو گیا تھا۔اس نے ٹونٹی تلے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر رکھا۔پانی کسی بھیک کی طرح کشکول میں گرنے لگا۔چلو بھر کر اس نے منہ پہ پھینکا' اور پھر پھینکتی گئی۔یہاں تک کہ چہرہ دھل گیا۔پھر تولیے سے منہ خشک کر کے خود کو آئینے میں دیکھا۔اب آنکھیں خشک تھیں۔

''میرا زوال کبھی نہیں آئے گا۔میں آج بھی دولت مند'طاقتور'اور خوبصورت ہوں۔کیا سمجھتا ہے وہ خود کو؟'' شعلہ بار نظروں سے آئینے میں دیکھتی وہ کہہ رہی تھی۔''میں ہار مان جاؤں گی؟ ہرگز نہیں۔جب میں نے اورنگزیب کے آگے ہار نہیں مانی تو تمہارے سامنے کیوں؟''

آنکھیں رگڑ کر ایک عزم سے خود کو دیکھا۔''میں دوبارہ کھڑی ہوں گی۔پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر!''

اور جب وہ باہر آئی تو اپنے ڈاکٹر کا نمبر ملا کر کہہ رہی تھی۔

''میری تھوڑی کے نیچے سے اسکن لٹکنے لگی ہے'اور میں سوچ رہی ہوں ہونٹوں کے گرد لاف لائیز میں فلر....''

دو گھنٹے بعد وہ بال کرل کر کے'براق سفید بلاؤز میں ملبوس'سرخ لپ اسٹک لگائے'مسکرا کر پورے اعتماد سے آفس کی راہداری میں چلتی جا رہی تھی۔اردگرد لوگوں کے سلام کا مسکرا کر جواب دیتی۔گردن کا سریہ واپس آ گیا تھا مگر دل بوڑھا ہو گیا تھا۔اس کی کوئی aging ٹریٹمنٹ نہ تھی اس کے پاس۔

نوشیرواں کے آفس کا دروازہ اس نے کھولا تو وہ آفس ٹیبل کے پیچھے اپنی کرسی پہ بیٹھا نظر آیا۔جواہرات مسکرائی اور دروازہ پورا کھولا۔پھر مسکراہٹ پھیکی پڑی۔شیرو کے سامنے کرسی پہ سیاہ کوٹ والی لڑکی کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔بھورے گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی...

جواہرات اندر تک سلگ گئی۔بے اختیار ہاتھ اپنے مصنوعی curls تک گیا۔

''ممی!'' شیرو نے پکارا تو زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور مسکرائی۔''گڈ مارننگ مسز کاردار۔'' پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور شیرو سے بولی (جو تذبذب کا شکار لگتا تھا۔)''اپنی ممی کے ساتھ نرمی سے بات کیجئے گا نوشیرواں ورنہ آپ اپنے والد کے آگے جواب دہ ہوں گے۔'' اور قدم قدم چلتی چوکھٹ میں کھڑی جواہرات تک آئی جو سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرے کلائنٹ کے ساتھ نرمی سے بات کیجئے گا ورنہ آپ میرے آگے جواب دہ ہوں گی۔'' دھیرے سے کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔اور جواہرات سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تن فن کرتی آگے کو آئی۔

''تو اب تم دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہو؟''

''وہ میری وکیل ہیں۔ اور جیسے وقت پڑنے پہ آپ لوگ ہارون عبید کو دوست بنا لیتے ہیں حالانکہ ڈیڈ اسے کتنا ناپسند کرتے تھے' ایسے ہی میں مسز زمر کو اپنا وکیل بنا سکتا ہوں۔''

''میں تمہاری زبان دیکھ رہی ہوں نوشیرواں کاردار۔'' جواہرات نے غصے سے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''کیوں نا آپ صرف اپنی مصروفیات دیکھیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور برہمی سے بولا تھا۔ جواہرات سن ہو گئی۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

''میری مصروفیات صرف میرے بیٹے ہیں' شیرو!'' اس کا لہجہ کانپا۔

''بے کار باتیں مت کریں۔ جب آپ اپنے ایک بیٹے سے دوسرے کو پٹوانے میں مصروف نہیں ہوتیں تو ریسٹورانٹس میں ہارون عبید کے ساتھ ڈنر کر رہی ہوتی ہیں۔ میرے دوست نے دیکھا تھا آپ کو کل رات وہاں۔'' وہ کوفت سے بولا تھا۔

''اس سے آگے ایک لفظ نہ بولنا۔'' سرخ چہرے کے ساتھ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ''جس عورت کی باتوں میں آ کر تم اپنی ماں اور بھائی سے دور جا رہے ہو' اس کو یہ نہیں بتایا تم نے کہ اس کے بھتیجے کو تین گولیاں بھی تم نے ماری تھیں؟''

نوشیرواں کے چہرے پہ زلزلے کے آثار نمایاں ہوئے۔ بہت سے سائے اس کی آنکھوں میں آن گرے۔ وہ آگے ہوا اور غرایا۔ ''وہ اسی قابل تھا! سنا آپ نے؟ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔ رہی مسز زمر تو ان سے میرا تعلق مختلف نوعیت کا ہے۔ وہ ایک اچھی خاتون ہیں۔''

جواہرات نے طیش سے ہاتھ مار کر میز پہ رکھے پین اسٹینڈ اور فائلز گرا دیں۔

''جو عورت کسی اولاد کو اس کی ماں سے دور رکھنے کی سازش کرے' وہ conspirator (ماکر) ہوتی ہے' اچھی نہیں۔''

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ میں نے تو سعدی کو مارا تھا' قید میں تو آپ لوگوں نے رکھا ہوا ہے؟'' وہ تلخی سے بولا تھا۔

''اوہ!'' جواہرات کے ابرو اٹھے' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی' چند گہرے سانس لئے اس نے۔ ''نوشیرواں کاردار۔ خود کو اپ ڈیٹ کر لو۔ سعدی یوسف اب قید میں نہیں ہے۔ وہ بھاگ چکا ہے۔ اور بھاگنے سے پہلے وہ ایک گارڈ کو قتل بھی کر چکا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ بھی ہے اور دماغ بھی۔ وہ تمہارے خون کے لئے آئے گا اور تم تو وہ ہو جس سے ایک قتل بھی ٹھیک سے نہیں ہوا۔ سو اب بھی وقت ہے' اپنے بھائی اور ماں سے سنوار لو ورنہ سعدی کا مقابلہ اکیلے کرو۔''

اور ایک شعلہ بار نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔ نوشیرواں بالکل سن' سفید چہرہ لئے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سیٹ پر ڈھے سا گیا اور نم ہوتی پیشانی کو آستین سے رگڑ کر صاف کیا۔

سعدی قاتل بن گیا ہے۔ اس نے قتل کر دیا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ ہے۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیکھا تو ان میں سرخ پانی جمع تھا۔ بے اختیار اسے ابکائی آئی تھی۔ وہ تیزی سے ڈسٹ بن پہ جھکا تھا۔ دل میں بہت سے آنسو بھی گرے تھے۔ گلٹ زیادہ شدید تھا' یا صدمہ' ماپنے کا کوئی پیمانہ نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی

سو اب کے دونوں ہی چالیں بدل کے دیکھتے ہیں

جواہرات کو لفٹ کی طرف جاتے دیکھ کر زمر اٹھی اور ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔ باہر بیٹھی سیکرٹری پریشانی کے عالم میں فون پہ لگی تھی' زمر نے اسے نظر انداز کر کے دروازہ کھولا۔ ہاشم اسی طرح بیٹھا کام کر رہا تھا۔ آہٹ پہ نظروں کا رخ پھیرا تو ذرا چونکا۔ چوکھٹ میں گھنگھریالے بالوں کی اونچی پونی والی زمر کھڑی تھی۔ مسکرا کر اس نے دروازے پہ دستک دی۔

ہاشم عینک اتار کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا۔ "مسز زمر! تو کیا نوشیرواں نے...."

"میں زمر کی حیثیت سے آئی ہوں' وکیل کی حیثیت سے نہیں۔" وہ قدم بقدم چلتی آگے آئی اور میز سے ذرا فاصلے پہ ٹھہر گئی۔

"ایک وقت تھا جب آپ میرے آفس آیا کرتے تھے' بنا پوچھے میری چائے لے لیتے تھے' انتہائی ناپسندیدہ باتیں کرنے کے بعد اٹھ کر کہتے تھے' ہم دونوں "ٹھیک" ہیں نا؟"

ہاشم ہلکا سا مسکرا دیا۔ نا سمجھی سا۔

"سو اب میں آپ سے پوچھنے آئی ہوں' کیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک ہیں؟" اس پہ نگاہیں جمائے وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ ہاشم کرسی کی طرف اشارہ کرتا واپس بیٹھا اور مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ کو میرے بھائی نے اپروچ کیا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔"

"آپ کو میری بھتیجی نے کالج بلایا تھا اور آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا تھا۔ جیسے وہ اٹارنی کلائنٹ پریویلج تھا' ویسے ہی یہ بھی پریویلج کا حصہ ہے۔"

وہ کرسی پہ بیٹھی اور پرس اپنے پہلو میں رکھ دیا۔ ہاتھ پرس کے قریب ہی تھا۔ زپ کے اندر سامنے ہی وہ فلیش رکھی تھی۔

"عذر قبول کیا۔ چائے لیں گی یا کافی؟"

"صرف یہ تسلی کہ آپ مجھے قصور وار نہیں ٹھہراتے شیرو اور اپنے معاملے پر۔"

"ہم بھائی ہیں مسز زمر! اور ہم کل کو پھر سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بات مجھ سے چھپا کر' علیشا کو بلا کر' میری پیٹھ کے پیچھے یہ سب کر کے' آپ نے اپنی اچھائی کو داغدار کر دیا ہے۔ میں چھپا سکتا ہوں' کیونکہ میں برا ہوں' لیکن آپ تو اچھی تھیں۔ اور جب اچھے لوگ برے کام کریں' برے نہ سہی مشکوک کام کریں' grey کام کریں' تو میرے جیسے برے لوگوں کا یقین بھی اچھائی سے اٹھ جاتا ہے۔ ہم اچھائی کے راستے پہ چلنے سے پہلے رک کر سوچنے لگتے ہیں۔" ٹیک لگا کر بیٹھا' مسکرا کر وہ کہہ رہا تھا۔ زمر نے گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھ ملا کر رکھے' اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''اور برے لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے اور اچھائی کی طرف نہ پلٹنے جیسی ''اپنی''...خالصتاً 'اپنی'' کمزوریوں کے لئے بھی دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔''

ہاشم ہلکا سا ہنس دیا۔اسے اس بات نے محظوظ کیا تھا۔تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔''او کے اب ہم ٹھیک ہیں۔''

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور بوکھلائی ہوئی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔

''سر آپ کا فون آف ہے اور دوسرا فون آپ نے سائلنٹ کر رکھا ہے۔''وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔زمر مڑ کر اسے دیکھنے لگی اور ہاشم ابرو بھینچ کر ذرا آگے کو ہوا۔

''آپ نے کالز فارورڈ کرنے سے بھی منع کیا تھا'مگر....بری خبر ہے۔''کہنے کے ساتھ اس نے میز پہ پڑا ریموٹ اٹھایا اور مڑ کر دیوار پہ نصب ایل سی ڈی کی جانب اٹھا کر بٹن دبایا۔اسکرین روشن ہوئی۔حلیمہ نے دو چار مزید بٹن دبائے اور ایک نیوز چینل سامنے نظر آیا۔اس پہ چلتی چلتی پٹی دیکھ کر ہاشم بے اختیار اٹھا۔چہرہ سفید پڑا۔سہارے کے لئے میز کے کنارے کو مضبوطی سے تھاما۔

''سر'کالز پہ کالز آ رہی ہیں'نیوز میں بھی آ گیا ہے۔ہمارے پاور پلانٹ کی مرکزی مشینری میں بلاسٹ ہوا ہے۔بڑے پیمانے پہ explosives استعمال کئے گئے ہیں۔تیل کو آگ لگ گئی ہے اور اب یہ آگ تب ہی بجھے گی جب ہمارا پلانٹ ناکارہ ہو چکا ہو گا۔''

(پاور پلانٹس میں بڑے بڑے فیول ٹینکس ہوتے ہیں۔ان ٹینکس میں کئی ملین گیلن تیل محفوظ ہوتا ہے۔اگر ایک ٹینک میں بھی دھماکہ ہو جائے تو اس سے پیدا ہونے والے fumes اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ پورا پلانٹ تباہ ہو سکتا ہے۔)

زمر بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھتی'پھر حلیمہ کو کہتی''بس کریں'خاموش ہو جائیں۔''

''پلانٹ اب نئے سرے سے اسٹارٹ کرنا ہو گا۔ایک بند ہوئے پلانٹ کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے...اربوں روپے مالیت کی ضرورت ہوتی ہے'اوہ سر'میں تو....''

''حلیمہ!''زمر غصے سے اس کی طرف مڑی۔''شٹ اپ!''

حلیمہ دم بخود اسے دیکھنے لگی۔اب وہ ہاشم کی طرف گھومی۔وہ ابھی تک ششدر کھڑا اسکرین پہ چلتے مناظر دیکھ رہا تھا۔صرف ایک گھنٹے کے لئے وہ دنیا سے کٹ کر بیٹھا تھا اور یہ سب ہو گیا تھا۔اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا'ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔وہ میز کے کنارے کو پکڑے دو قدم آگے بڑھا'پھر فون اٹھایا۔اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

''فون رکھیں ہاشم۔''زمر نے اس سے ریسیور لے کر واپس رکھا۔''اور پلیز آرام سے بیٹھ جائیں۔''وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

وارث غازی کی جھومتی ہوئی لاش...وہ اور زرتاشہ ایک ریسٹورانٹ میں کھڑی تھیں...سعدی کی زخمی چہرے والے چہرے والی تصاویر...ہر شے پس منظر میں چلی گئی۔اگر کچھ رہ گیا تو صرف ایک احساس۔

انسانیت۔

ہاشم نہیں بیٹھا۔ وہ شل سا کھڑا رہا۔ چہرہ جھکائے' وقفے وقفے سے نفی میں سر ہلاتا۔

''ہاشم آپ بیٹھ جائیں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ہاشم نے سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''گیٹ آؤٹ۔'' دروازے کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ''جائیں یہاں سے۔'' حلیمہ جلدی سے باہر بھاگ گئی۔ زمر نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے' پھر بند کر دیے۔ پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر نکل کر وہ چند قدم آگے گئی۔ پھر رکی۔ نفی میں سر ہلایا۔ اور واپس ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔

آفس خالی تھا۔ میز کے پیچھے اب ہاشم نہیں کھڑا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا اور پھر وہ تیزی سے آگے آئی تو دیکھا....

وہ اپنی کرسی کے قریب فرش پہ گرا ہوا تھا' اس کا ہاتھ سینے کو مسل رہا تھا اور اسکی آنکھیں غنودہ سی بند ہو رہی تھیں۔ وہ تکلیف میں تھا' اس کا تنفس رک رہا تھا۔

''ایمبولینس بلاؤ.... گاڑی نکلواؤ....'' وہ چلا کر حلیمہ سے بولی تھی جو باہر کھڑی تھی۔ ''ہاشم کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے۔ جلدی کرو۔ جاؤ۔'' اور پرس پھینکتی وہ اس کی طرف بڑھی تھی جس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور سینہ جکڑ رہا تھا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منزلیں تیرے علاوہ بھی ہیں لیکن

زندگی اور کسی راہ پر چلنا ہی نہیں چاہتی

کولمبو میں واقع اس بلند بالا ہوٹل کی ریسیپشن دن کے وقت بھی روشنیوں سے منور تھی۔ ایک کونے میں صوفے پہ آفتاب بیٹھا تھا اور فون کان سے لگائے دوسری طرف ہارون کو سن رہا تھا جو پوچھ رہے تھے۔

''آبدار کیسی ہے؟'' وہ جواباً بتانے لگا۔

''جب سے وہ مس آبدار کے اپارٹمنٹ سے گیا ہے' مس واپس ہوٹل آ گئی ہیں اور یہاں سے نہیں نکلیں۔''

چند منزلیں اوپر... ایک کشادہ اور پرتعیش بیڈروم کے پردے گرے تھے اور اندر اندھیرا سا تھا۔ وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ سرخ بال کمر پہ پھسل رہے تھے اور چہرہ تھوڑی پہ گرائے گم صم نظر آتی تھی۔

''وہ کھانا بھی اندر منگواتی ہیں۔ اداس ہیں اور غمزدہ بھی۔''

آبدار نے سائیڈ ٹیبل سے نیل پالش کی شیشی اٹھائی اور اپنا پیر میز کے کنارے رکھا' پھر برش کو پالش میں ڈبو ڈبو کر ناخنوں پہ لگانے لگی۔

''وہ بار بار ریسیپشن پہ کال کر کے پوچھتی ہیں کہ کوئی ان سے ملنے تو نہیں آیا' یا ان کے لئے کوئی فون تو نہیں آیا۔ مگر اپنا سیل فون انہوں نے آف کر رکھا ہے۔''

انگوٹھے اور دو انگلیوں پہ سرخ نیل پالش لگا کر وہ رکی' اور پھر ایک دم شیشی اٹھا کر دیوار پہ دے ماری۔ شیشی دیوار کو دانندار کر کے ٹوٹ گئی۔

اب وہ سرخ رومال سے ناخن رگڑ رہی تھی۔ گیلی سوکھی پالش خلط ملط ہو گئی' کچھ مٹی' کچھ انگلیوں پہ لگ گئی۔

"مجھے وہ بیمار لگنے لگی ہیں' سر۔ میرا خیال ہے آپ کو ان کے پاس ہونا چاہیے۔"

وہ اب گھٹنوں پہ سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"مشورہ نہیں مانگا' رپورٹ مانگی ہے' دیتے رہو۔" ہارون نے کوفت سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ ادھر وہ ابھی تک روئے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاکھ موجوں میں گھرا ہوں مگر ڈوبا تو نہیں

مجھ کو ساحل سے پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

کینڈی کی سرسبز پہاڑیوں نے روئی کے گالوں جیسے بادلوں کا تاج پہن رکھا تھا۔ صبح کی تازہ ہوا درختوں کے پتوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی اور پہاڑی کو کاٹ کر بنے اس اوپن ایئر کیفے کے فوارے کے پانی سے کھیل رہی تھی۔ حوض میں گرتے پانی کی دھاروں میں دھنک کے ساتوں رنگ دکھائی دیتے تھے۔ فوارے سے نظر دائیں جانب کرو تو کونے کی ایک میز پہ فارس بیٹھا تھا۔ جھک کر' کہنیاں میز پہ رکھے' وہ کافی کے مگ میں چمچ ہلا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے نگاہ اٹھائی اور سامنے والی کرسی سنبھالتے سعدی کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔ جینز پہ سویٹر پہن رکھا تھا جس کی ہڈ گردن کے پیچھے گری تھی۔

"مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔ جہاں کام کرتا ہوں' وہاں کی مالکن کو کل پوری شام غائب رہنے کی لمبی کہانی سنائی تھی' اب صبح دوبارہ جانے سے پہلے اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔" وہ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ ہونٹ کا زخم پہلے سے بہتر تھا البتہ سوجن زیادہ تھی۔ فارس نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھتے مگ لبوں سے لگایا۔

"کیا کہا ہے اسے' کہاں جا رہے ہو؟"

"یہی کہ میری محبوبہ کینڈی میں آئی ہوئی ہے' اس سے "چھپ" کر ملنے جاتا ہوں۔" مسکرا کر تپانے والے انداز میں بولا۔ فارس نے سر جھٹکا۔ "استغفر اللہ۔"

سعدی اپنے لئے ناشتہ آرڈر کرنے لگا۔ پھر فارس کی طرف خوشگوار انداز میں گھوما۔ "آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

فارس نے سنجیدگی سے مگ رکھا۔ "یہ اہم نہیں ہے۔ اہم یہ ہے کہ میں اور تم آج واپس جا رہے ہیں۔"

سعدی کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔ مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ "کیا یہ اتنا آسان ہے؟"

"ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا؟ دو ہاتھ اور لگاؤں؟"

"اچھا آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"میرے ساتھ واپس چلو' ہاشم سے کہو کہ تم اس کا راز رکھو گے۔ ہم سب نارمل ایکٹ کریں گے۔ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ رہو۔ اپنی جاب دوبارہ شروع کرو۔ اور مجھے ہاشم سے تمہارا اور اپنا انتقام لینے دو۔"

"میرا مجرم ہاشم نہیں نوشیرواں ہے۔ مجھے گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔ ہاشم نے مجھے غائب کروایا تھا' مگر مجھے.... گولیاں.... نوشیرواں نے ماری تھیں۔" وہ ایک دم میز پہ ہاتھ مار کر تیزی سے بولا۔ فارس پہ گڑی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ "آٹھ ماہ.... پورے آٹھ ماہ انہوں نے مجھے بند رکھا' ایک ایسی جگہ جہاں میں سورج سے بھی محروم تھا... آٹھ ماہ میں نے ہر صبح انتظار کیا کہ آپ آئیں گے مگر' آپ نہیں آئے میں نے اپنے خاندان والوں کا انتظار کیا' مگر کوئی نہیں آیا۔ آپ سب ہاشم کاردار کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھ کر عید کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ کوئی نہیں آیا میرے لئے۔" بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ تو فارس نے گہری سانس لی۔

"مجھے جیل میں ڈھائی سال ہو گئے تھے جب تم نے مجھ سے معافی مانگی تھی کہ تم میرے لئے پہلے اس طرح نہیں آئے جیسے اب آئے۔ کیا تمہیں الزام دیا تھا میں نے؟ نہیں۔ صرف اسلئے کہ تم نے مجھے قید میں نہیں ڈالا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو قید میں ڈالا تھا۔"

"اوہ واؤ۔ اوکے۔ سو اب میں گلٹی پارٹی ہوں۔ ٹھیک ہے۔ فائن۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تلخی سے کہا۔ "میں نے اپنے آپ کو خود قید میں ڈالا تھا' مجھے پہلے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں آیا میں اکیلے سب کچھ کرنا چاہ رہا تھا' میں غلط تھا۔ فائن۔ مگر آپ.... آپ تو سب جانتے تھے۔ یہ بھی کہ میں کہاں ہوں' کس کے پاس ہوں تو آپ کیوں نہیں آئے میرے لئے۔ آٹھ ماہ پہلے کیوں نہیں آئے؟"

"کیونکہ تمہارے برعکس میں ایک بات جانتا ہوں کہ انسان اکیلا ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" وہ بھی اتنی ہی درشتی سے بولا تھا۔ "میں بالفرض کولمبو آ بھی جاتا تو میرے پاس یہاں اتنے بندے' اتنا اسلحہ اور اتنے وسائل نہیں تھے کہ میں ان کے ہوٹل پہ حملہ کرتا اور تمہیں وہاں سے نکال لیتا۔ اگر میں ایسی کوئی کوشش کرتا بھی تو میرا... ایک.... خاندان.... ہے۔ سعدی یوسف! وہ کسی کو نہ چھوڑتے۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے اسے جیتنا ہوتا ہے' اور ہم یہ جنگ جیتنے کے قریب ہیں۔ ہم اسے جیت کر ہی شروع کریں گے۔ وہاں سے تمہیں صرف تم خود نکال سکتے تھے اور میں نے تمہیں نکلنے کا طریقہ بتایا تھا اور وہ طریقہ کارگر رہا۔"

سعدی چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ صدمے سے اسے دیکھتا رہا۔ "کارگر؟ ہر گزرتا دن میری گردن میں پھندا کستا رہا' میں اندر سے مرتا گیا اور اب آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہو پایا' اور آپ کہتے ہیں کہ وہ کارگر رہا۔"

"مجھے ہاشم کو شک نہیں دلوانا تھا۔ ہاشم کو اپنی طرف سے مطمئن رکھنا تھا۔"

"مگر کیوں؟ کیا کر لیتا ہاشم کاردار؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا؟"

فارس نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ جب اسے پتہ چلے گا تو وہ کیا کرے گا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا' اس کو ڈاج کرنے کے دو ہزار طریقے میں جانتا ہوں۔ بہر حال میں واپس نہیں جا رہا۔ ابھی نہیں۔" اور وہ رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فارس نے طویل سانس لبوں سے خارج کی۔

"مگر کیوں؟ کیا تم اپنے گھر والوں سے ملنا نہیں چاہتے؟" سعدی نے نظریں چرائیں۔

"مجھے تیاری کرنی ہے' ابھی میں تیار نہیں ہوں۔"

فارس ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ ''کس چیز کی تیاری؟ میں نے کہا نا تمہارا انتقام میں لوں گا۔''

سعدی نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑا' ان میں اب صرف سنجیدگی تھی۔

''مجھے انتقام نہیں چاہیے ماموں۔ یہی فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ مجھے..... انصاف.... چاہیے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' فارس ایک دم الرٹ سا ہو کر بیٹھا۔ سعدی نے نظریں جھکائیں' پھر آنکھیں بند کیں۔ اس کے بعد اس نے گردن کڑائی.... آنکھیں کھولیں اور ان میں سرد سا تاثر لئے فارس کو دیکھا۔

''سرکار بنام نوشیرواں کاردار!''

فارس کی ساری دنیا ایک دم سناٹے میں آ گئی۔ وہ بالکل شل سا سعدی کو دیکھے گیا۔ پھر اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''نہیں' کبھی نہیں سعدی۔'' وہ تیزی سے آگے ہوا۔ ''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے تمہیں انتقام چاہیے تو ہم لیں گے انتقام مگر.....''

''مجھے انتقام نہیں چاہیے۔'' وہ جواباً غرایا تھا۔ ''مجھے.... انصاف.... چاہیے۔''

''تمہیں انصاف کا مطلب بھی پتہ ہے؟ سعدی وہ ہمارے خاندان کی عورتوں اور بوڑھوں کو کورٹ میں گھسیٹیں گے۔ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ زمر' حنین' تم خود۔ پاکستان میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے سعدی اور اب ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا۔''

''ہاں ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا مگر ہر مجرم گناہگار نہیں ہوتا۔ اور یہ جج کرنا میرا یا آپ کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک آفیسر آف لاء جج کرے گا۔ یہ فیصلہ ایک جج کرے گا کہ کون قاتل ہے' کون دھوکے باز ہے' کون جھوٹا ہے اور کون گناہگار۔ میں ہر رات اپنی ٹوٹی امید کو اس ایک خیال سے جوڑتا تھا۔ لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے۔ سرکار.... بنام.... نوشیرواں کاردار!'' اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں مگر ان میں برف ہوئے پہاڑوں جیسی سختی تھی۔ فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''سعدی' میں ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ رہوں گا' لیکن ایک بات مجھے پورے یقین سے بتاؤ۔ کیا تم اس فیصلے پہ قائم رہو گے؟ کیا تم کاردارز سے کورٹ میں جنگ کرنا چاہتے ہو؟''

''میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ سعدی یوسف کی کہانی ایک کورٹ ٹرائل کے بغیر ختم نہیں ہو گی۔ میں جانتا ہوں ٹرائل لمبا ہو گا' ٹرائل تکلیف دہ ہو گا' مجھے سے اور کاردارز سے جڑے ہر شخص کو عدالت کے کٹہرے میں آ کر قرآن پہ ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا حلف اٹھانا ہو گا' میرے خاندان کی عورتوں پہ بھری کچہری میں کیچڑ اچھالا جائے گا' ہمیں ذلیل اور رسوا کیا جائے گا' میں سب جانتا ہوں' مگر.... میں.... فیصلہ کر چکا ہوں۔ مجھے ''سرکار بنام نوشیرواں کاردار'' چاہیے ہے!''

فارس نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا' وہ والٹ سے چند نوٹ نکالتا اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو گلاس تلے رکھا۔

''تمہارا نیا پاسپورٹ تمہیں دو دن کے اندر مل جائے گا۔ یہ تمہارے آف شور بینک اکاؤنٹ کی ساری تفصیلات ہیں۔'' جیکٹ کے اندرونی جیب سے چند کاغذ نکال کر سامنے رکھے۔ ''مجھ سے کیسے کانٹیکٹ کرنا ہے تمہیں معلوم ہے' پیسے چاہیے ہوں تو بتانا۔ میں آج رات تک واپس

چلا جاؤں گا۔"

سعدی کا دل ایک دم ویران سا ہو گیا۔ اس نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"بس آپ جا رہے ہیں؟"

"اب رکنے کا فائدہ نہیں ہے۔ تم نے ایک غلط فیصلہ کیا ہے سعدی، اور میں اس میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ لیکن تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہے کہ ہاشم کیا کرے گا جب اس پہ حقیقت کھلے گی۔ مجھے اندازہ ہے اور مجھے.... تیاری کرنی ہے۔ مجھے اپنے خاندان کی حفاظت کرنی ہے۔"

سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔ کاغذات کو اس نے چھوا تک نہیں۔ آگے بڑھا اور فارس سے گلے ملا۔ حلق میں بہت سے آنسو پھنس گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے، اب دور ہٹو۔" سنجیدگی سے کہہ کر اسے پرے ہٹایا۔ سعدی نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ زمر نے ابھی تک آپ کو زہر نہیں دیا۔ ویسے وہ آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں اب؟"

"Its Complicated" وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

"اور یہ آبدار کا کیا چکر ہے؟ اس کے نمبر کی اتنی فکر کیوں ہے آپ کو؟" یوسف خاندان کے لڑکے نے آنکھوں میں شک بھرے فارس غازی کو دیکھا تھا۔

"اس نے احسان کیے ہیں مجھ پہ اور میں اس کو ڈاج کر کے گیا تھا۔ وہ جذباتی سی لڑکی ہے، مجھے فکر ہے کہ کچھ کر نہ دے۔ اسی لیے اس کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔ خبر تو رکھنی پڑتی ہے۔ خیر تم ایک دو دن میں واپس آجانا۔ زیادہ مت ٹھہرنا۔ میں اب چلتا ہوں۔"

اس کا کندھا ہلکے سے تھپک کر وہ کہہ رہا تھا۔ اب کے وہ جلدی میں لگتا تھا۔ اسے واپس جانا تھا۔ جلد از جلد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے

تو حلقہ یاراں میں بھی محتاط رہا کر!

ہسپتال کے پرائیوٹ وارڈ کا وہ پرتعیش کمرہ پھولوں کی مہک سے معطر تھا۔ اندر بیڈ پہ ہاشم تکیوں کے سہارے لیٹا نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہسپتال والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ زمر نے دروازے پہ دستک دی تو اس نے آنکھیں کھولیں، پھر نقاہت سے مسکرایا۔ ساتھ کھڑے ڈاکٹر نے بھی اسے دیکھا۔

"آیئے۔" وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی اور قریبی کاؤچ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"تھینک یو.... میرے آپ کو نکال دینے کے باوجود دوبارہ واپس آنے کے لئے۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔

"نو پرابلم میں نہ بھی آتی تو کوئی اور آجاتا۔ یہ ہارٹ اٹیک نہیں تھا صرف anxiety اٹیک تھا۔ چونکہ اس کے symptoms دل کے دورے جیسے ہوتے ہیں تو میں سمجھی.... خیر.... مبارک ہو، آپ کا دل بالکل محفوظ اور توانا ہے۔"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ ماحول میں عجیب سا تناؤ در آیا۔ ڈاکٹر باہر گیا تو ہاشم نے کہا۔

"زمر.... کیا آپ میرا ایک کام کریں گی۔"

زمر نے گہری سانس لی۔ "جی کہیے۔"

"ایک ڈرافٹ تیار کروانا ہے اگر آپ نوٹ پیڈ پہ لکھتی جائیں تو...اور پلیز مجھے کام سے باز رہنے کو نہ کہیے گا۔"

"شیور آپ بتائیں۔" وہ اس کو کام سے باز رہنے کی نصیحت کر بھی نہیں سکی۔ مصروف رہے گا تو ذہنی دباؤ کم ہو گا۔ اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور پین کھولا۔ ہاشم تکیے پہ سر رکھے' آنکھیں موندے ڈکٹیٹ کرنے لگا۔ بار بار رکتا' اٹکتا' پھر نفی میں سر ہلا کر دوبارہ سے شروع کرتا۔ وہ بنا کسی کوفت کے لکھتی گئی۔

اس دوران اس سے ملنے کوئی نہیں آیا۔ شام میں جب وہ تھک کر' کاغذوں کا پلندہ اس کے سرہانے رکھ کر اٹھنے لگی تو ازراہ ہمدردی بولی۔

"آپ اس بات کا دل پہ مت لیجئے گا کہ دوستوں میں سے کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے ان کو معلوم نہ ہو۔"

ہاشم تلخی سے مسکرایا۔ "باس کی بیماری کی خبر آفس میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا کرتی ہے۔ سب کو معلوم ہے مسز زمر!"

"میں ..اپنے ڈاکٹر سے مل لوں۔" وہ پرس اٹھا کر جانے لگی۔

ہاشم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "آپ کا ڈاکٹر بھی اسی ہسپتال میں ہے؟"

"یہ آپ کا پسندیدہ ہسپتال ہے ہاشم اور میری سرجری کے وقت مسز کاردار نے ہی یہ ہسپتال ریکمنڈ کیا تھا۔ کیا آپ بھول گئے۔" ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔ وہ یہ معاملات ممی کے لئے چھوڑ دیا کرتا تھا' سو اس کو ان کی خبر نہ تھی۔

زمر چند منٹ کی مسافت پہ واقع اپنے ڈاکٹر کے کمرے تک آئی تو وہ اندر نہیں تھے۔ اس دن کے بعد سے بس ان سے فون پہ بات ہوئی تھی' انہوں نے اسے نئی رپورٹ کے حوصلہ افزا ہونے کا بتایا تھا۔ مزید کچھ نہیں۔ اس نے باہر ریسپشن والے لڑکے سے پوچھا۔

"ڈاکٹر قاسم کہاں ہیں؟"

وہ بے اختیار تعجب سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ "آپ کو نہیں معلوم؟"

"نہیں۔ کیا ہوا؟" زندگی میں اتنے حادثے دیکھے تھے کہ بغیر کسی فکرمندی کے سکون سے بولی۔

"ان کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ بہت چوٹیں آئی ہیں۔ وہ ایک دوسرے ہاسپٹل میں داخل ہیں۔ پسلیاں ٹوٹی ہیں۔ جبڑے کی ہڈی بھی اور ..." وہ ہمدردی سے سنتی گئی' پھر آگے بڑھ گئی۔ اب دوسروں کے غم کوئی ایسا اثر نہیں کرتے تھے۔

"تو آپ نے فائلز کاپی نہیں کیں؟" حنین کے سامنے جب رات گئے وہ آ کر بیٹھی تو ساری کتھا سن کر اس نے خفگی سے پوچھا تھا۔

"حنین' تمہارے خیال میں میں اتنی چالباز عورت ہوں کہ وہ آدمی زمین پہ گرا ہو گا' اپنے سینے کو تکلیف سے مسل رہا ہو گا اور مجھے فائلز کی فکر ہو گی؟" اس نے سکون سے پوچھا تھا۔

"anxiety! ٹھیک ہی تھا نا۔ مر تو نہیں گیا وہ۔ آپ نے اتنا اچھا موقع ضائع کر دیا۔"

"میرے اس موقعے کا فائدہ اٹھانے کے بعد مجھ میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا؟"

"ہاں بالکل، ہم تباہ ہو جائیں گے، مگر چلو ہم ان سے بہتر تو ہوں گے۔" حنین طنز سے بولی تھی۔ زمر چپ رہی۔

"خیر... آپ کو پتہ ہے... سعدی بھائی اپنے قرآن والے گروپ میں دوبارہ سے آ گیا ہے۔" وہ بوجھل ماحول کو ہلکا بناتے ہوئے ٹیب کھول کر اس کے سامنے کر کے دکھانے لگی۔ زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ تیزی سے آگے ہوئی۔ پھر اسکرین پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کے کنارے نم ہوئے۔

"وہ سورۃ النمل پہ تدبر کرتا ہے۔ مگر کرتے کرتے اب رک گیا ہے۔ آدھی سورۃ کے بیچ۔" احتیاط سے اس کے تاثرات دیکھ کر کہنے لگی۔

"آپ بھی اچھا بولتی ہیں، بھائی کی طرح۔ آپ کو چاہیے... کہ اس کی ادھوری سورۃ مکمل کر دیں۔ کچھ لکھ دیں۔ شاید اسے ضرورت ہو۔"

زمر سر جھٹک کر اٹھ گئی۔ "مجھے کام ہیں بہت۔" اس سے نظریں ملائے بغیر وہ باہر نکل گئی اور حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لے جائیں مجھ کو مال غنیمت کے ساتھ عدو

تم نے تو ڈال دی ہے سپر تم کو اس سے کیا

اس رات کولمبو میں واقع پاکستانی سفارت خانے میں خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔ آفس مقفل تھے، سب چھٹی کر کے جا چکے تھے۔

ایسے میں ایک اندھیرے کمرے میں جہاں بہت سے کمپیوٹرز پڑے تھے، ایک کی اسکرین روشن تھی اور اس کے سامنے بیٹھی عورت کھٹا کھٹ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ بار بار احتیاط سے دروازے کی طرف بھی دیکھتی۔ اس کی گود میں رکھے پاس پہ کسی مرد کی تصویر بنی تھی۔ (یہ وہ پاس تھا جس کو استعمال کر کے وہ اس جگہ داخل ہوئی تھی۔)

دفعتاً پرنٹر سے زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔ صباحت پرنٹر پہ رکھی شے کو احتیاط سے درست کرنے لگی۔ ساتھ ہی وہ کیز بھی دبا رہی تھی۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ پرنٹ شدہ کاغذوں کو جوڑ رہی تھی۔ ان کا کور گہرا سبز تھا اور ان پہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان لکھا تھا.....

فصیح ہوٹل کی لابی میں تیز قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔ جب اس کا فون بجا۔ اس نے سرعت سے اسے کان سے لگایا۔

"سر، وہ نمبر آن ہو گیا ہے۔ ابھی دو منٹ پہلے۔"

"اچھا تم یوں کرو....." فصیح ہدایت دینے لگا کہ ٹوں ٹوں سنائی دینے لگی۔ درمیان میں کسی اور کی کال آ رہی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر فون کان سے ہٹایا تو ایک دم منجمد ہو گیا۔ اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔

"وہ مجھے کال کر رہا ہے۔ تم اس کی لوکیشن ٹریس کرو۔" تیزی سے کہہ کر اس نے دوسری کال اٹھائی۔ "کہیے۔"

"میں پوسٹر والے لڑکے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" دوسری طرف بوڑھا سنبھالی بدقت کہہ رہا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ اس دن آپ کو ڈپٹ دیا۔ میں انعام کی رقم ایڈوانس میں دینے کو تیار ہوں۔" اب وہ سجاؤ سے بات کر رہا تھا۔

اسلام آباد کے اس ہسپتال کے کمرے میں اس رات اداسی اور تنہائی تھی۔ ویران موسم ویران دل۔ وہ گھر جا سکتا تھا مگر خود ہی نہیں گیا۔ تنہا کمرے میں لیٹا رہا۔ نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔ وجیہہ چہرہ زرد سا تھا۔

اس سے ملنے کوئی نہیں آیا تھا۔ جواہرات کو اس نے ہوش میں آتے ہی کال کی تھی اور اس پہ چیخا چلایا تھا۔ جواب میں جواہرات اتنے ہی ہذیانی انداز میں اس پہ غرائی تھی۔ "مجھے کسی چیز کا الزام نہ دو۔ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں تمہیں احساس ہی نہیں۔"

نوشیرواں کو اس نے کال نہیں کی تھی' مگر دل سے وہ چاہتا تھا کہ کاش وہ آ جاتا۔ ایک دفعہ۔ باقی کسی سے بھی ملنے سے اس نے خود انکار کر دیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ نہ آفس سے' نہ دوستوں میں سے۔ پتہ نہیں کیوں؟

اور جب سعدی یوسف ہسپتال سے کھو گیا تھا... تو کتنے ہی دن اس کے دوست اور قرابت دار اسی ہسپتال کے باہر پھولوں کے گلدستے رکھتے رہے تھے۔ فرق کہاں سے آیا تھا؟ کس نے ڈالا تھا؟

دفعتاً اس نے تکیے کے ساتھ رکھا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔ "ادریس..." بولا تو آواز میں ذرا نقاہت تھی۔ "کراچی میں سب ٹھیک ہے؟"

"جی کاردار صاحب' آپ کے بارے میں سنا تھا اب طبیعت کیسی...."

"فارس کا بتاؤ۔" اس نے درشتی سے بات کاٹی۔ اپنی "کمزوری" کے عیاں ہونے کا احساس بہت تکلیف دہ تھا۔

"غازی؟ وہ ٹھیک ہے' کام کرتا ہے۔ مزاج برہم رہتا ہے' مگر وہ بندہ برا نہیں ہے۔"

ادریس اب اسے فارس کی "رپورٹ" دے رہا تھا۔ ہاشم نے مطمئن ہو کر فون رکھا اور ایک دفعہ پھر اپنے گرد پھیلی تنہائی کو دیکھا۔

جو فیصلہ وہ شہرین سے طلاق کے ان دو سالوں میں نہیں کر سکا تھا' وہ چند ساعتوں میں ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسٹ لکھا (ہم کب مل سکتے ہیں زیڈ؟) اور آبدار کے نمبر پہ بھیج دیا۔ پھر قدرے سکون سے تکیے پہ سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے' لٹ بھی چکے
اور محبت وہی انداز پرانے مانگے

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر سناٹا چھایا تھا۔ کسی کسی کمرے میں کوئی لیمپ جل رہا تھا۔ ندرت اپنے کمرے میں بیڈ پہ جائے نماز بچھائے بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ (گھٹنوں کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں۔) ساتھ والے کمرے میں جھانکو تو حنین دوپٹہ اوڑھ کر قرآن اٹھائے بیٹھی سبق یاد کر رہی تھی۔ کل کے سبق میں سورۃ البینہ سنانی تھی اسے اور وہ مسلسل آیات کو خلط ملط کر رہی تھی۔

''اف حنین نخوکس کرو، کیوں تم بار بار ایمان والوں کو ''نار جہنم'' میں پہنچا رہی ہو۔ اور مشرکین کو باغات میں؟ اف۔'' اس کے اپنے مسئلے تھے اور یہ مسئلے اس کو اب اپنے مرض مستمر کو سوچنے ہی نہیں دیتے تھے۔

سیم بڑے ابا کے کمرے میں سو رہا تھا۔ (گو کہ اس کا اپنا کمرہ بھی تھا مگر رات کو وہ ادھر ہی سوتا تھا۔) زمر کے کمرے میں بھی لیمپ جل رہا تھا۔ وہ کارپٹ پہ جائے نماز ڈالے چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ کب کا سلام پھیر چکی تھی مگر یونہی بیٹھی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ بیڈ کی دوسری طرف کو اٹھ جاتیں۔ بس ایک رات ہی رہا تھا وہ اس کمرے میں۔ پھر چلا گیا۔ اب وہ کب آئے گا؟

''اللہ تعالیٰ میں بہت بری ہوں۔'' وہ گہری سانس لے کر کہنے لگی۔ زرد لیمپ میں مدھم روشنی میں بھی اس کا چہرہ اور ناک کی نتھ دمک رہی تھی۔ ''میں بہت سخت دل ہوگئی تھی۔ میں نے فارس کے ساتھ بہت زیادتی کی، مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔ اس کے لئے انصاف حاصل کیا مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔ میرا دل اس جتنا بڑا نہیں ہے۔ میں اس سے غلط باتوں پہ لڑتی ہوں۔'' وہ یاسیت سے کہہ رہی تھی۔ ''جب مجھے پتہ تھا کہ وہ سعدی کے لئے ادھر گیا تھا، اور اسے آبدار کی... ضرورت تھی اور ذرا سوچنے پہ مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ آبدار نے جان بوجھ کر ایسی بات کہی تھی، ان کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر... اب میں بات کیوں نہیں کر لیتی اس سے؟ مگر نہیں... میری انا!'' پھر اس نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ سمجھایا کہ دل کی نرمی تب ملتی ہے جب ہم قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔ جب ہم دل سے قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔ اور کیا ہوا جو وہ اپنی سورۃ مکمل نہیں کر سکا۔ اس سے پہلے بھی تو میں نے سعدی کے بہت سے کام کیے ہیں نا، آج ایک اور سہی۔''

فارس اور اپنی معلق قسم کی ازدواجی زندگی کی ساری کلفت اور بددلی عنقا سی ہوگئی۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرائی اور اٹھ گئی۔ پھر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی اور لیپ ٹاپ کی اسکرین کھولی۔

وہ گروپ میں مزید کچھ نہیں پوسٹ کر سکا تھا۔ وہ سورۃ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ وہ کر لے گی۔

پہلے وہ اس کی لکھی تدبر اور تفکر کی باتیں غور سے پڑھنے لگی۔ اس نے النمل کی 58 آیات لکھی تھیں۔ کل آیات 93 تھیں۔ وہ آدھی سے زیادہ سورۃ کر چکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ... چیونٹیوں کی ملکہ کا قصہ... سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا قصہ... صالحؑ کا قصہ... لوط علیہ السلام کا قصہ... اور بس! ابھی 35 آیات رہتی تھیں۔ ابھی النمل کا ایک بڑا حصہ رہتا تھا۔ ابھی داستان کی تکمیل کی راہ میں چند بڑے واقعات کا ہونا حائل تھا۔

زمر نے اگلی چند آیات وہاں لکھیں اور پھر... جی کڑا کر کے ایک نئے عزم کے ساتھ... وہ ہر آیت کے نیچے اپنے الفاظ... اپنے دل سے کہے گئے الفاظ لکھنے لگی......

میں پناہ چاہتی ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان، بار بار رحم کرنے والا ہے۔

''آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے... اور سلام ہے اس کے بندوں پر... وہ لوگ جن کو اس نے ''چن'' لیا ہے... کیا اللہ

بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں؟"

"اوہ اللہ!" اس نے آنکھیں بند کر لیں، پھر سر جھٹک کر کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے ٹائپ کرنے لگی۔ الفاظ جانے کہاں سے آ کر انگلیوں سے کیز میں منتقل ہونے لگے۔

"میں ان آیات کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل یہ سوچ رہی تھی کہ میں انہیں کسی اور کی تشفی کے لئے لکھ رہی ہوں، مگر نہیں۔ قرآن جب آپ سے مخاطب ہو تو وہ صرف آپ کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے.... بلکہ یہ فرمایا کہ "آپ کہہ دیں' کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے۔" لکھتے لکھتے اس کی انگلیوں میں روانی آ رہی تھی۔ "حمد کہتے ہیں کسی کی پرفیکشن کی تعریف کو۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ اللہ ہی پرفیکٹ ہے، پرفیکٹ تعریف بھی اسی کی ہو سکتی ہے، مگر یہ بات ہمیں دوسروں کو بار بار بتاتے رہنا چاہیے کہ اللہ بہترین ہے۔ بہترین دوست، بہترین مددگار۔ ورنہ جب لوگ کافر ہونے لگتے ہیں، athiest بنتے جاتے ہیں تو وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے اللہ ان کے لئے بہترین مددگار نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ کل بھی آپ کا تھا، آج بھی ہے۔ ہمیں یہ گلٹ اور ڈپریشن رہتا ہے کہ ہم اس کے اب بہترین بندے نہیں رہے، مگر ہم تو اس کے بہترین بندے کبھی بھی نہیں تھے۔ ساری تعریف، ساری حمد، ساری پرفیکشن "ہمارے لئے" تو کل بھی نہیں تھی۔ جس گلٹ کو ہم دیوار بنا کر اللہ اور اپنے درمیان لے آتے ہیں، وہ تو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ آج اس غلطی پہ شرمندہ ہیں، کل کسی اور پہ نادم تھے۔ ہم پرفیکٹ نہیں ہو سکتے تو پھر اللہ سے بات کرنے سے جھجکتے کیوں ہیں؟ غلطی ہوئی ہے تو معافی مانگو اور نئے سرے سے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ یہ اتنا آسان ہے۔ کیونکہ کچھ لوگوں کو اللہ نے اپنے دین کے لئے چن لیا ہوتا ہے۔ ان کو قرآن پہ تدبر کرتے رہنا چاہیے، اپنے لئے نہ سہی تو دوسروں کے لئے۔ خوشی سے نہیں کریں گے تو قدرت آپ کو کھینچ کر، گھسیٹ کر اس طرف لے آئے گی، مگر یہ آپ کو کرنا ہے۔ آپ chosen one ہیں، پرفیکٹ نہیں ہیں تو اپنی خامیاں اور گناہ دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں۔ توبہ کریں، اور پھر سے شروع کریں۔ صرف اللہ ہی کے ساتھ تو انسان ہمیشہ ہر چیز نئے سرے سے شروع کر سکتا ہے!" ٹھہر کر اس نے اگلی آیت دیکھی۔

"بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟

کس نے آسمان سے بارش برسائی؟

پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے۔ تم تو ہرگز نہیں اگا سکتے تھے ان باغوں کے درختوں کو۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ تو وہ ہیں جو حق سے انحراف کرتے ہیں۔"

"مجھے بہت اچھے لگتے ہیں قرآن میں پوچھے گئے سوال۔" وہ چہرہ جھکائے بورڈ پہ تیز تیز ٹائپ کر رہی تھی۔ "ہر دفعہ اپنا دفاع کرنا، اپنے حق میں دلائل دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ کوئی اللہ کے وجود کو ماننے سے انکاری ہو تو اس کی طرف سوال ڈالا کریں، اسے سوچنے پہ مجبور کریں۔ کوئی تو ہے نا جس نے اتنے انصاف سے زمین اور آسمان بنائے۔ تو کیا وہ ہمیں انصاف نہیں دلائے گا؟ کوئی تو ہے نا جو آسمانوں سے بارش برساتا

ہے، کبھی زمین پہ، کبھی دل پہ، اور اس بارش سے اگنے والے باغات انسان خود نہیں اگا سکتا۔ مردہ زمین اور مردہ دلوں کو صرف اللہ زندہ کر سکتا ہے۔ صرف اللہ کا قرآن کر سکتا ہے۔ تو بجائے اپنے مردہ دل کا ڈپریشن لینے کے، کیوں نا اللہ سے کہہ دیا جائے کہ آپ مدد کریں، مجھ سے تو نہیں ہو رہا۔ تو کیا وہ نہیں کرے گا مدد؟ میں ایک بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔ میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ اللہ انسان کو سارے وسائل دے دیتا ہے مگر انسانوں کو اس سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ خود زمین پہ آ کر ہمارے کام جادوئی طاقت سے سنوار دے گا۔ اس نے آپ کو یہ عقل دی ہے سو یہ اس کی بہترین مخلوق کی توہین ہے کہ اس کو ہر شے پلیٹ میں دی جائے۔ جیسے رزق کمانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ویسے ہی اپنے دل کو زندہ کرنے کے لئے بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یوں گلٹ اور ڈپریشن لے کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔"

لکھ لکھ کر وہ اب تھک چکی تھی مگر جوش اور عزم ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اگلی آیت آن لائن قرآن سے کاپی پیسٹ کی اور پھر اس کو زیرِ لب پڑھا۔

"بھلا کس نے بنایا زمین کو قرار گاہ

اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں

اور اس کے لئے پہاڑ بنائے

اور بنائی دو سمندروں کے درمیان آڑ

کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے بلکہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔"

"اچھا لگتا ہے آپ کی بیان کی گئی مثالیں پڑھنا اللہ تعالیٰ۔" وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی ٹائپ کئے جا رہی تھی۔ بھوری آنکھیں کی بورڈ پہ جھکی تھیں۔ "کبھی تو یہ زمین، آسمان، پہاڑوں اور سمندروں کی مثالیں لگتی ہیں، اور کبھی انسانوں کی۔ کچھ انسان زمین جیسے ہوتے ہیں۔ اتنا بوجھ اٹھا کر بھی قرار و سکون میں ہوتے ہیں۔ ہلتے نہیں، ٹوٹتے نہیں۔ کچھ نہروں جیسے ہوتے ہیں، سب کو سیراب کرتے ہیں، فائدہ پہنچاتے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ پہاڑوں جیسے ہوتے ہیں۔ مضبوطی سے اکڑ کر سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اپنا بوجھ تو کسی اور پہ... ایک پرسکون زمین پہ... ڈالے ہوئے ہیں۔ خود تو قرآن کا بوجھ بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور کچھ سمندر کے پانی جیسے ہوتے ہیں۔ کڑوا اور میٹھا پانی سمندر میں کتنی ہی جگہوں پہ ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے مگر دونوں کے درمیان آڑ ہوتی ہے۔ گوگل کرو تو کتنی ہی تصویریں نکل آتی ہیں جہاں پانی بھی پانی سے مل نہیں سکتا۔ دونوں کا رنگ فرق ہے، ذائقہ فرق ہے مگر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک اچھا ہے ایک برا، دونوں دشمن ہیں مگر ایک سمندر میں رہتے ہوئے ان کو ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ جس دن یہ آڑ ٹوٹی، سمندر میں طوفان برپا ہو جائے گا۔ ہر طرح کے لوگ دیکھ کر جاننے والے واقعی کہہ اٹھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کون ان کو بنا سکتا تھا؟ اور اللہ کے سوا کس کے سامنے ان سب کو جھکنا چاہیے؟"

اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے مسکرا کر اپنے لکھے الفاظ کو دیکھا۔ اگر وہ پڑھے گا تو وہ بھی اچھا محسوس کرے گا کیونکہ قرآن کا

پڑھنا پڑھانا تو عطر بیچنے والے جیسا ہوتا ہے۔ دوسروں کو عطر کی شیشیاں تھماتے تھماتے چند قطرے دکاندار کے اپنے ہاتھوں پہ بھی لگ جاتے ہیں اور وہ خود بھی معطر ہو جاتا ہے' چاہے آخر میں اس کے پاس ایک شیشی بھی نہ بچے۔

اور زمر کو اتنے سال بعد اپنے کپڑے سے خوشبو آنے لگی تھی۔ آج وہ واقعی میں خوش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کل تاریخ یقیناً خود کو دہرائے گی

آج کے اک اک منظر کو پہچان میں رکھنا

وہ صبح جب قصر کاردار پہ اتری تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مغرور انسانوں کی طرح وہ صرف دیکھنے میں وزنی لگتے تھے' اندر سے کھوکھلے تھے۔ گرج رہے تھے مگر خیر و برکت کے قطرے برسانے والے نہیں لگتے تھے۔

اونچے ستونوں والے برآمدے کے سامنے سبزہ زار پہ کار آرکی اور ڈرائیور نے جھٹ سے دروازہ کھولا۔ پچھلی سیٹ سے علیشا باہر نکلی۔ اس کے سیاہ بال کندھوں تک آتے تھے' گرے ٹاپ کے گریبان پہ سن گلاسز اٹکی تھیں' اور ماتھے کے اوپر ہیئر بینڈ سے بال پیچھے کر رکھے تھے۔ سرمئی آنکھیں اٹھا کر اس نے برآمدے میں کھڑی جواہرات کو دیکھا جو نک سک سے تیار' چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

علیشا نے تھوک نگلا اور جی کڑا کر کے برآمدے کے زینے پہ چڑھنے لگی' یہاں تک کہ وہ جواہرات سے دو زینے نیچے رہ گئی۔

''آپ نے مجھے بلوایا؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ تحکم سے کہتی مڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا نے ایک نظر آس پاس ہاتھ باندھے کھڑے ملازموں پہ ڈالی پھر اس کے پیچھے ہولی۔

''یہ میرے والد کی تصویر ہے۔'' لاؤنج کی ایک دیوار کے قریب رک کر جواہرات نے چتون سے اشارہ کیا۔ وہ ہنوز سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے' گردن کی پشت پہ پڑے تھے۔ ''اور یہ میرے دادا کی۔ یہ میرے کزنز ہیں۔ یہ میری والدہ کی فیملی ہے۔'' وہ مختلف تصاویر کے اوپر نگاہ دوڑاتے کہہ رہی تھی۔

''یہ سب خاندانی تھے۔ اپنے علاقوں کے رئیس تھے۔ سیاسی اکابرین تھے۔ عزت دار لوگ تھے۔ مگر اور نگزیب....'' اب کے وہ پلٹ کر علیشا کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تھی۔ علیشا خاموشی سے سنے گئی۔ ''اورنگزیب ان کی طرح رئیس تھا نہ دولت مند' مگر وہ خاندانی تھا۔ عزت دار تھا۔ اسی لئے اس کو میں نے اپنے لئے منتخب کیا۔ اس کو دو بیٹے دیے۔ خاندانی اور با اثر بیٹے۔ ہمارے سارے خاندان میں... سات نسلوں میں....'' انگلی گھما کر اشارہ کیا۔ ''کوئی اتنا نجس' غیر خاندانی اور غلیظ نہیں ہے جتنی کہ تم!''

''مسز کاردار!'' علیشا کی آنکھوں میں سرخ لکیریں ابھریں۔ آواز کانپی۔

''آواز نیچی رکھو۔'' وہ جواباً اتنے زور سے غرائی کہ علیشا بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔ ''تم میرے سامنے کھڑی ہو اور میں.... میں.... یہاں

کی... ملکہ ہوں! اگر تمہیں رہنا ہے اس گھر میں تو تم میرے متعین کیے طریقے سے رہو گی۔ یہ مت سمجھنا کہ میرا بے وقوف بیٹا تمہاری مدد کو آئے گا۔ ہاشم کی پیشکش پہ حامی بھرنے کا ارادہ ظاہر کر کے تم نے نوشیرواں کی حمایت کھو دی ہے۔ وہ تمہارے اپارٹمنٹ کا مزید کرایہ نہیں بھرے گا۔ اوہ ایسی شکل نہ بناؤ۔ میں نے آفس میں رپورٹ کرنے والے بہت سے پرندے پال رکھے ہیں۔"

علیشا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نیچے والے سرونٹ رومز میں سے ایک میں رہو گی۔ ان شیئرز کو تم بیچ نہیں سکتی اس لیے تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر اس شہر میں رہنا ہے اور ان شیئرز کا منافع وصول کرتے رہنا ہے تو...." ابرو سے دور کھڑی میری کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی۔ "تو میری کے ساتھ جاؤ اور اپنا کمرہ دیکھ لو۔"

علیشا نے ایک بے بس نگاہ میری کے اوپر ڈالی اور پھر اس کے ساتھ خاموشی سے چل دی۔

"ملکہ سے ٹکر نہیں لینی چاہیے علیشا!" جواہرات نے پیچھے سے پکارا تھا۔ میری انجیو نے اس بات پہ گردن ذرا موڑ کر لاؤنج کے پودوں پہ اسپرے کرتی نیونا کو دیکھا جو اندر تک کلس گئی تھی۔ "کیونکہ شطرنج کی بساط پہ صرف ملکہ ہوتی ہے جو جب چاہے، جتنی چاہے چالیں چل سکتی ہے۔" علیشا مڑی اور ایک نظر اسے دیکھا۔

"مگر شہہ مات صرف بادشاہ کر سکتا ہے مسز کاردار! اور ملکہ سب سے بڑی چالباز تو بن سکتی ہے، مگر وہ بادشاہ نہیں بن سکتی۔" اور مڑ گئی۔

"میں اپارٹمنٹ سے اپنا سامان لے آؤں۔" میری کے ساتھ جانے کی بجائے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی ہوئی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ موبائل پہ ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگائے، اپنا سامان اکٹھا کر رہی تھی۔

"ہیلو... مسز ندرت... میں علیشا بات کر رہی ہوں۔ جی میں ٹھیک ہوں۔ میں نے مسز زمر سے بات کی تھی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا میں حنین سے ملنا چاہتی ہوں مگر وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ کیا آپ میرے اور اپنے درمیان یہ بات رکھیں گی اگر میں آپ سے کہوں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔" ذرا دیر کو ٹھہر کر بات سنتے وہ اپنے کپڑے بیگ میں اڑس رہی تھی۔

"مجھے اپنا Ants everafter والا کی چین واپس چاہیے۔ کیا حنین اور زمر کے علم میں لائے بغیر آپ مجھے وہ دے سکتی ہیں؟ میں وعدہ کرتی ہوں دوبارہ آپ کو یا آپ کی بیٹی کو تنگ نہیں کروں گی۔" وہ بہت منت سے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی

یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا

کینڈی کی اس کافی شاپ کے کچن میں سعدی کھڑے کھڑے کاؤنٹر پہ جھکا لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھ رہا تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہ خوش کن

بھی تھا اور اداس کرنے والا بھی۔ اس نے سورۃ شروع کی تھی' کوئی اور اسے مکمل کر رہا تھا۔ قرآن انسانوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان محتاج ہوتے ہیں۔ آپ نہیں کریں گے تو کوئی اور آجائے گا۔ دین کا کام ہوتا رہے گا۔ اس کا جیسے دل زخمی ہو گیا تھا مگر مسکرانے کا دل چاہ رہا تھا۔

پھر اسکرین فولڈ کر کے وہ اٹھا تو مونچو کے رونے کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑا اور مستطیل کچن سے باہر آیا۔

باہر بوڑھا روپا سنگھی کیش کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اپنے موبائل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ایڈوانس کی رقم ابھی تک اسے موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ ناخوش اور بے چین لگ رہا تھا۔ نگاہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا جو باہر آ رہا تھا' جہاں کامنی کھڑی غصے سے مونچو کو جھڑک رہی تھی اور وہ مٹھی سے آنسو پونچھتا' ہچکچا رہا تھا۔ ساتھ ہی دو خوبصورت کانچ کے پیالے نیچے چکنا چور ہوئے بکھرے تھے۔ کامنی غصے سے اسے سنہالی میں کچھ ایسا کہہ رہی تھی جو ندرت برتن ٹوٹنے پہ اسے کہا کرتی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' سعدی رسان سے پوچھتا آگے آیا۔ کامنی خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

''یہ لڑکا کبھی نہیں دیکھ کر چلتا۔ میرے نئے پیالے توڑ دیے۔'' وہ صدمے میں تھی۔

''پیالے مونچو سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھے کامنی۔'' وہ نرمی سے کہتا آگے آیا اور پنجوں کے بل مونچو کے سامنے بیٹھا' اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ بوڑھا روپا سنگھی آگے ہو کر دیکھنے لگا۔ کچھ تشویش' کچھ اچنبھے سے۔

''صرف ان دو پیالوں کے لئے تم اتنے پیارے مونچو کو ڈانٹ رہی ہو؟'' مونچو اب اپنے ہاتھ چھڑاتا' سر جھکائے زور زور سے سسکنے لگا تھا' مگر سعدی نے اس کے ہاتھ نہیں چھوڑے۔

''کیا تھا جو یہ دیکھ کر چل لیتا۔''

''کامنی!'' اس نے نظریں اٹھا کر سنہالی عورت کو دیکھا۔ ''یہ برتن اسی وقت' اسی لمحے ٹوٹنے ہی تھے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ یہ میری قسمت تھی کہ.....''

''نہیں' یہ ان برتنوں کی 'عمر' تھی جو ختم ہو گئی تھی۔'' پھر مونچو کی طرف مڑا۔ ''ہر چیز کی عمر ہوتی ہے' جب وہ عمر ختم ہو جاتی ہے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ سو برتن ٹوٹنے کا غم نہیں کرتے مونچو۔ یقین کرو اگر تم سے نہ ٹوٹتا یہ پیالہ تو تمہاری اس چڑیل جیسی ماں سے ٹوٹ جاتا۔''

مونچو آنسوؤں کے درمیان ہنس پڑا۔ روپا سنگھی بھی آگے ہو کر یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ مسکرا دی۔ تب سعدی کھڑا ہوا۔ مونچو ننھی ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتا باہر کو بھاگ گیا تب وہ کامنی سے بولا۔ ''میرا بھی باپ نہیں تھا۔ ہم بغیر باپ کے بڑے ہوئے تھے۔ بن باپ کے بچے کو سب کے سامنے نہ ڈانٹا کرو۔ وہ دلاسے کے لیے کس کے پاس جائے گا؟ اپنے بچوں کو شروع سے ہی اتنا تنہا نہیں کرنا چاہیے!'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ روپا سنگھی کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پھر کتنی ہی دیر بعد وہ کچن میں آیا۔

''سنو!'' سعدی دوبارہ لیپ ٹاپ اسکرین کھول کر بیٹھا تھا جب مضطرب اور بے چین سا روپا سنگھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''تم چلے

جاؤ۔" سعدی نے گہری سانس لی۔

"سر میں بہت جلد چلا جاؤں گا' آپ لوگوں کے لئے مسئلہ نہیں...."

"میں نے پوسٹر والے نمبر پہ کال کر دی تھی۔ وہ آ جائیں گے۔ انہوں نے میری لوکیشن بھی ٹریس کر لی ہو گی۔ پیسے نہیں بھیجیں گے وہ۔ تم... تم بھاگ جاؤ۔" وہ آنسو ضبط کئے جلدی جلدی بول رہا تھا اور سعدی یوسف کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زمین پیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے

میں ایسے حادثوں پہ دل مگر چھوٹا نہیں کرتا

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں علیشا اپنا ٹرالی بیگ خود گھسیٹتی خاموشی سے میری کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔ ڈائننگ ہال میں سربراہی کرسی پہ بیٹھی' جوس کے گھونٹ بھرتی جواہرات نے ایک نظر اسے دیکھا' اور پھر سر جھٹک کر مصروف ہو گئی۔ احمر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اسے ایک پریزینٹیشن دکھا رہا تھا۔ علیشا کو دیکھ کر اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"اس لڑکی کو یہاں کیوں رہنے دیا آپ نے؟"

"تا کہ میرے دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس وقت اس کو اپنی نگرانی میں رکھنا ضروری ہے۔" احمر سر ہلا کر رہ گیا۔

اسی لمحے لاؤنج کا مرکزی دروازہ کھلا اور ہاشم نمودار ہوا۔ آستین کہنیوں تک موڑے' گریبان کا ایک بٹن کھلا تھا' کوٹ بازو پہ ڈالا ہوا تھا' چہرے پہ قدرے نقاہت تھی۔ ملازم ساتھ آ رہے تھے' اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو گویا واپس پلٹنے کا کہا۔ چند قدم آگے آیا تو جواہرات تیزی سے ڈائننگ ہال سے ادھر آتی دکھائی دی۔ چہرے پہ تشویش تھی۔ احمر وہیں بیٹھا رہا۔

"ہاشم' تمہیں ابھی ہاسپٹل میں رہنا چاہیے تھا۔ تم نے منع کر دیا ورنہ میں آ جاتی۔" اس نے ہاشم کا بازو تھامنا چاہا مگر اس نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔ "میرے کاروبار کو اتنا بڑا دھچکا دینے کے بعد مجھ سے مخاطب بھی کیسے ہو سکتی ہیں آپ۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔"

جواہرات نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آنکھوں میں خفگی اتری۔ "یہ ہم سب کا کاروبار ہے۔"

"نہیں ہے یہ ہم سب کا کاروبار۔" وہ غرایا تھا۔ "جب میرے باپ کو اپنی سیاست اور آپ کو اپنی بیوٹی ٹریٹمنٹس سے فرصت نہیں تھی تو میں تھا جو اپنا خون جلا کر اس کاروبار کو پھیلا رہا تھا۔ یہ سب... میرا کمایا ہوا ہے۔" سینے پہ انگلی سے دستک دے کر سختی سے بولا تھا۔ "میں نہ ہوں تو آپ دونوں سڑک پہ آ جائیں۔ مگر آپ.... آپ نے میرا سوچے بغیر صرف اس بے غیرت آدمی کے لئے غلط لوگوں سے دشمنی مول لی۔ اس وقت میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"اوہ ڈونٹ یو ڈیئر!" وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائی تھی۔ "تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں۔ تم دونوں کے

لئے ...تم دونوں کے لئے کیا کیا کر چکی ہوں میں' تم احساس بھی نہیں کر سکتے۔"

"واٹ ایور!" وہ ہوا میں ہاتھ کو جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔جواہرات پیر پٹختی واپس مڑ گئی۔احمر نے سر جھکا دیا۔اس نے ساری باتیں سن تھیں۔

نوشیرواں اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا تیار ہو رہا تھا جب ہاشم اس کے دروازے کے باہر رکا۔شیرو نے ذرا کی ذرا اسے دیکھا' پھر برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔ماتھے پہ خوامخواہ کے بل بھی ڈال لیے۔

"میں رات ہسپتال میں تھا۔" وہ سرد لہجے میں گویا ہوا' مگر اس میں بھی آنچ تھی۔شیرو کا برش کرتا ہاتھ رکا' پھر دوبارہ چلنے لگا۔

"معلوم ہے۔جب آپ کی سیکرٹری نے بتایا کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے تو جانتا تھا میں' یہ بھی کوئی نیا جھوٹ ہوگا۔اور وہ کیا نکلا؟ صرف anxiety attack۔آپ لوگ تو بیماری میں بھی اپنا "سچ" نہیں چھوڑتے۔" تلخی سے وہ بولا تھا۔"جب مجھے پٹوایا تھا اس لڑکے سے تو میں بھی ہسپتال داخل رہا تھا۔آپ مجھے تب دیکھنے آئے ہوتے تو میں بھی کل آ جاتا شاید۔"

"وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔کبھی بھی نہیں۔میں نے اسے روح پہ زخم دیے تھے۔اس کے اپنوں کو قتل کروایا تھا' مگر وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔" اس کی بات کا اثر لئے بغیر ہاشم سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔شیرو بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"وہ...نوشیرواں...تمہارے پیچھے آئے گا۔"

نوشیرواں کا خون اس کی رگوں میں جم گیا۔وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گیا۔

"اور اب تم جتنا پچھتالو...اور میں جانتا ہوں کہ تم پچھتاتے ہو....مگر اب اس کا فائدہ نہیں ہے۔وہ ایک دن تمہارے پیچھے آئے گا۔وہ تمہیں گھسیٹے گا....یا انتقام کے لئے یا انصاف کے لئے....اور اس دن نوشیرواں...." انگلی اٹھا کر اس نے تنبیہ کی۔"اس دن تمہیں میری قدر ہو گی۔اس دن تم جانو گے کہ جب میں کہتا ہوں' ہاشم سنبھال لے گا تو ہاشم کیسے سنبھالتا ہے۔اور اس دن تم چاہو گے کہ میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں اور میں...." وہ سانس لینے کو رکا۔نوشیرواں کا بھی سانس رکا۔اسے لگا اب ہاشم کبھی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔

"اور میں اس دن تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں۔"

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور نوشیرواں پہ کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا۔وہ زرد چہرے کے ساتھ ساکت و جامد کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں

میں دل کی بات مگر دیوار پہ لکھا نہیں کرتا

وہ کافی شاپ کے اوپر "شفیع احمر" کے لئے مختص کمرے میں روپا سنگھی کے سامنے کھڑا تھا اور بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔"تم اگر مجھ سے اتنی شکایت تھی تو مجھے کہا ہوتا' میں چلا جاتا۔مگر ان لوگوں کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر انہوں نے مجھے جان سے مار دیا تو میرا خون

آپ کے ہاتھ پہ ہوگا۔"

"تم ہو کون جس پہ میں اعتبار کرتا؟ اس پوسٹر کے مطابق تم تامل جاسوس ہو۔ یہ میرا فرض تھا ایک فوجی ہونے کے ناطے کہ میں تمہاری رپورٹ کرتا۔" وہ کچھ پشیمان، کچھ بپھرا ہوا تھا۔

"بس کرو مسٹر روپا سنگھی۔" سعدی نے اکتا کر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "تم نے یہ صرف انعام کی رقم لے لئے کیا ہے۔" بوڑھا مزید طیش کے عالم میں کچھ اور بھی کہتا مگر دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور کامنی استفہامیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی اندر داخل ہوئی۔

"باہر کوئی تم سے ملنے آیا ہے شفیع۔ وہ تمہاری تصویر دکھا کر پوچھ رہا ہے تمہارا۔" پھر باپ کو دیکھا۔ "آپ کیوں لڑ رہے ہیں اس سے؟"

سعدی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ "پلیز اس کو میرا نہ بتانا۔ وہ مجھے ڈھونڈنے آنے والوں میں سے ہے...."

کامنی مطمئن نہیں تھی مگر وہ واپس نیچے اتر گئی۔ کافی شاپ کے ہال میں آئی تو دیکھا، وہ کاؤنٹر کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سیاہ رنگت، حبشی صورت اور سفید چمکتے دانت۔

"جی؟" وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"میں اس نئے لڑکے سے ملنا چاہتا ہوں جو سنا ہے جادوئی کرتب دکھاتا ہے۔"

"ہاں وہ بہت امیزنگ ہے۔ آپ اس سے مل کر بہت محظوظ ہوں گے۔ ابھی وہ باہر گیا ہے، کراکری شاپ تک۔ یہ تین بلاک چھوڑ کر۔ جیسے ہی آتا ہے میں آپ کو ملواتی ہوں۔ کچھ آرڈر کریں گے آپ؟" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"نہیں۔" فصیح کھڑا ہو گیا۔ "کس شاپ تک گیا ہے وہ؟ پتہ سمجھا دیں گی آپ مجھے؟" اس کو پتہ سمجھا کر وہاں سے بھیج کر کامنی اوپر آئی تو وہ دونوں ابھی تک لڑ رہے تھے۔ سعدی کا بیگ اس کے کندھے پہ تھا۔

"وہ چلا گیا ہے۔ اب مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں۔" روپا سنگھی ڈانٹ کر اور مایوسی سے بپھر کر بولا۔ "یہ لڑکا فراڈ ہے۔ تامل جاسوس ہے۔ کولمبو میں اس کی شکل کے most wanted پوسٹر لگے ہیں۔ یہ ہمیں بھی دھوکہ دے رہا تھا۔"

کامنی نے ناسمجھی سے سعدی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔

"نہیں پاپا، اس کی گرل فرینڈ کی فیملی امیر ہے تو وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور...."

"کوئی لڑکی نہیں ہے کامنی۔ اس کی کوئی لو اسٹوری نہیں ہے۔ یہ دہشت گرد ہے۔"

"میں دہشت گرد نہیں ہوں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"مگر تم ایک قاتل ہو۔ میرے ایسوسی ایٹ کو زہریلے چین سے ہلاک کر کے بھاگنے والے قاتل ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں، سعدی یوسف؟"

بوٹ کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر..... فصیح کا سیاہ چہرہ چوکھٹ میں نمودار ہوا۔ کامنی ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹی۔ روپا سنگھی کا رنگ اڑ گیا۔ سعدی نے پتھرائے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ ایک دم پستول نکال کر دونوں بازو لمبے کیے اس پہ تان لیا۔

"کیا اس نے آپ لوگوں کو اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا؟" فصیح نے چوکھٹ میں کھڑے مسکرا کر پوچھا تھا۔ کامنی نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نظر میں سب کچھ تھا۔ صدمہ، بے اعتباری یقین ٹوٹنے کا دکھ۔ مگر سعدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ پستول تانے، نظریں فصیح پہ گاڑھے ہوئے تھا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ فصیح، ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔"

"نہیں، تم اگلے ہی لمحے پستول نیچے کر دو گے جب تم یہ دیکھو گے۔" کہنے کے ساتھ فصیح، جو چوکھٹ سے لگ کر کھڑا تھا، ذرا بائیں طرف کو ہوا اور... اپنے دائیں ہاتھ سے کسی کو کھینچ کر اپنی ٹانگ کے ساتھ لا کھڑا کیا۔ ذرا سہا سا مونچو جس کے منہ پہ ڈکٹ ٹیپ بندھی تھی اور ہاتھ بھی کمر پہ ٹیپ سے بندھے تھے۔ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر گال پہ لڑھک رہے تھے۔ کامنی کی بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ روپا سنگھی بھی چلایا تھا۔ "وہ بچہ ہے، اس کو چھوڑ دو۔ یہ میرا انواسا ہے۔ تمہیں خبر دینے والا میں تھا۔"

فصیح نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا پستول بچے کے سر پہ تھا۔ سعدی نے ایک لفظ کہے بنا پستول زمین پہ ڈال دیا۔

"بچے کو چھوڑ دو۔"

"پہلے تم یہ پہنو۔" اس نے ہتھکڑی کے دو باہم جڑے کڑے میز پہ ڈالے۔ ادھر روپا سنگھی مسلسل اسے بچے کو چھوڑنے کا کہہ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر چہرے پہ لڑھکتے گئے۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"اوکے!" سعدی چند قدم آگے آیا، کامنی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ "تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہو گا۔" مگر اس نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تو اس نے خاموشی سے ہتھکڑی اٹھائی، اور اپنے ہاتھ کو پیچھے کو باندھ کر ہتھکڑی پہن کر کلک کی آواز سے بند کر دی۔

"اب میرے آگے چلو۔" فصیح نے کہتے ہوئے اپنا کوٹ اتارا اور سعدی کے کندھوں پہ ڈال دیا۔ اب اسے دیکھنے پہ یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے ہیں۔

فصیح بچے کو اپنے ساتھ گھسیٹے، سعدی کو آگے چلائے، سیڑھیاں اتر کر شاپ کی پچھلی سمت سے باہر نکلا۔ بچے کو اس نے سیڑھیوں کے دہانے پہ چھوڑ دیا اور خود سعدی کے پیچھے چلتے ہوئے اسے مسلسل "سیدھا چلو، اب دائیں مڑو" کہتا آگے چلاتا گیا۔ سعدی کندھوں پہ لمبا کوٹ ڈالے سنجیدہ چہرے کے ساتھ چلتا گیا۔

صبح کے وقت گلیوں میں رش تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ کسی دوسرے کی فکر نہیں۔ ایسے میں وہ خاموشی سے فصیح کے آگے چلتا جا رہا تھا۔ وہ بھاگتا تو فصیح سائلنسر لگے پستول سے اسے گولی مار دیتا وہ جانتا تھا۔

ایک جگہ سڑک کنارے چلتے چلتے فصیح نے اسے پہاڑی سے اتر جانے کی ہدایت دی۔

''تم مجھے کسی ویران جگہ پہ لے جانا چاہتے ہو تاکہ مجھے مار سکو۔ اوکے۔'' وہ سر کو خم دیتا' جوگرز ڈھلان پہ رکھتا نیچے اترنے لگا۔

''بکواس نہیں کرو۔ چپ چاپ اترو۔'' وہ گرج کر بولا۔

''سزائے موت کے مجرم سے بھی اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔ مجھ سے نہیں پوچھو گے۔ میں جانتا ہوں ابھی واپس جا کر تم کامنی کے خاندان کو بھی مار دو گے۔''

''اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' سعدی چونکا مگر فصیح نے پیچھے سے پستول کا ٹھوکا دیا تو وہ آگے چلنے لگا۔

وہ دونوں چلتے چلتے ایک پہاڑی گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چائے کے باغات کی سوندھی مہک یہاں بھی محسوس ہوتی تھی۔ اوپر آسمان پہ مطلع صاف تھا۔ پھر بھی چھایا سی تھی۔ سورج کسی اوٹ میں تھا۔ اس پہاڑی گھاٹی میں ایک جگہ فصیح نے اسے رک جانے کو کہا۔

''یہاں گھٹنوں کے بل بیٹھو۔''

''تاکہ تم میری گردن اتار سکو۔ صحیح!'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا۔ کندھوں پہ کوٹ ڈالا تھا' ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے۔ گردن موڑ کر اس نے فصیح کو دیکھا تو چہرے پہ سکون تھا۔ ''میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر کامنی کے خاندان کے لیے کیا انتظام کیا ہے تم نے؟ بتادو!''

فصیح اب پستول اس پہ تانے' اس کی پیشانی کا نشانہ لئے' سامنے آ کھڑا ہوا۔

''وہ میرا اور تمہارا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔ اس کافی شاپ کے ہر شخص کی موت کے ذمہ دار تم ہو۔''

''کیا کیا ہے تم نے؟'' سعدی کا دل زور سے دھڑکا۔ ''کیا تم نے ان کی شاپ میں کوئی بم وغیرہ فٹ کیا ہے؟''

''میں اتنے پیچیدہ چکروں میں نہیں پڑا کرتا۔ کچن میں داخل ہو کر میں نے دودھ کے ابلتے دیگچے میں دو گھونٹ جتنا بے ذائقہ زہر ملایا تھا۔'' پھر اس نے جیسے سوچنے کی اداکاری کی۔ ''اسی دودھ سے ابھی سب کی کافی بنے گی' چائے بنے گی' بچہ بھی وہی دودھ پئے گا۔ چچ چچ بے چارے۔'' سعدی نے لب بھینچ لیے۔

''دیکھو تمہیں مجھے مارنا ہے تو مار دو مگر مجھے ایک دفعہ ان کو کال کر کے بتانے دو کہ دودھ زہریلا ہے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا نہ کرو۔''

''سوری..... یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ پستول پھر سے اس پہ تان کر ایک آنکھ بند کیے نشانہ لیے ہوئے تھا۔ ''اگر کسی صورت میں انہوں نے دودھ ضائع کر دیا تب بھی میں جا کر ایک ایک کو حادثاتی موت کا شکار کر ہی دوں گا کیونکہ وہ سب میرا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔''

سعدی نے سر جھکایا اور گہری سانس لی ''یعنی فصیح' مجھے تمہیں روکنے کا مستقل انتظام کرنا ہو گا؟''

''تم مجھے باتوں میں الجھانا چاہتے ہو؟'' اس نے کہنے کے ساتھ پستول سعدی کی پیشانی پہ رکھا۔ ٹھنڈی نال اس کی جلد سے جیسے ہی ٹکرائی' اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

''کلمہ پڑھ لو۔'' فصیح نے غرا کر کہا۔ سعدی نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم بھی!'' اور اگلے ہی لمحے سعدی نے کوٹ سے ہاتھ نکال کر اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر مروڑا... ایک سیکنڈ کا عمل تھا اور وہ بجلی کی رفتار سے اٹھ کر فصیح کو گردن سے دبوچ چکا تھا۔

فصیح تڑاتڑ ٹریگر دباتا گیا' گولیاں سامنے فضا میں گم ہوتی گئیں مگر سعدی اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا تھا اور اپنے بازو کے شکنجے میں اس کی گردن لے لی تھی۔ فصیح اس کے بازوؤں کے نرغے میں پھڑپھڑاتا' مسلسل زور لگاتا پستول کا رخ پیچھے کو موڑنے لگا' مگر اس سے پہلے کہ وہ پیچھے کی طرف گولی چلا سکتا' سعدی یوسف نے اپنی آنکھیں بند کیے' زور سے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔

فصیح کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ زندگی کی ڈور بھی ٹوٹ گئی۔ اس نے ہچکی کی سی صورت آخری سانس لی۔ اور پھر... گردن ڈھلک گئی۔

سعدی نے اپنے بازو ہٹا دیے۔ فصیح کی لاش زمین پہ جا گری۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' اور ان میں کوئی تاثر نہ تھا۔ تاثر تو سعدی کی آنکھوں میں بھی نہ تھا۔ وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ پیر کی ٹھوکر سے اس کی لاش کو پرے کرتا گیا یہاں تک کہ لاش پہاڑی کے دہانے پہ آ رکی۔ سعدی نے ایک اور ٹھوکر ماری' اور لاش نیچے لڑھک گئی۔ خاردار جھاڑیوں بھری ڈھلان سے لاش نیچے گرتی چلی گئی۔ دور نیچے... اندھی کھائی میں۔

اس نے فصیح کا کوٹ بھی اچھال کر نیچے پھینکا' پھر اس کا موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالا۔ اور دونوں ہاتھ جھاڑتا وہ اوپر ڈھلان پہ چڑھنے لگا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔ بے تاثر اور سرد۔ دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔

معرکے کی اس جگہ پہ کھلی ہوئی ہتھکڑی اور اس کے لاک میں ٹھنسی سیاہ ہیئر پن زمین پہ گری پڑی تھی۔ یہ کامنی کی ہیئر پن تھی جو اس نے جاتے سمے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وقت اتاری تھی۔ اور اس کو سارا راستہ کوٹ کے اندر چھپے ہاتھوں کی ہتھکڑی میں گھساتے وقت اس کے ذہن میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ ''لاک کی چھ پنیں... ون... ٹو... تھری... فور... فائیو... سکس... اور کلک...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یارب یہ کس نے ٹکڑے کیے روزِ حشر کے
مجھ کو تو گام گام پہ محشر چلا ملا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ زمر تیاری کمرے سے باہر نکل رہی تھی' اور دوسرے ہاتھ سے گیلے گھنگریالے بال کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی جب ندرت نے اسے پکارا۔ وہ ہاتھ میں کفگیر لیے سامنے کھڑی تھیں۔ قدرے متفکر قدرے متحیر۔

''مجھے علیشا کا فون آیا تھا۔ وہ جو حنین کی امریکی سہیلی ہے۔'' اور یہ تو طے تھا کہ یوسف اب باتیں نہیں چھپائیں گے' سو وہ اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ وہ قدرے حیرت سے سنتی گئی۔

''آپ اسے کہیے گا وہ کی چین سعدی کے ساتھ کھو گیا تھا۔ باقی معاملہ میں دیکھ لوں گی۔'' اس کا فون بجنے لگا تو وہ اسے کان سے لگاتی اسی رفتار سے بولتی آگے آئی۔

"جی میں کل انہیں کسی ایک عزیز کی عیادت کے لئے چلی گئی تھی تو پھر آج..." زرک کراس نے کچھ سنا۔ پہلے آنکھوں میں حیرت ابھری' پھر شاک۔ "کیا مطلب انہوں نے ڈیل سائن کر لی؟ وہ میرے کلائنٹس تھے۔ ان کو کیسے پتہ تھا کہ میں نہیں آؤں گی؟ اوہ..." اور احساس انکشاف جیسا تھا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ "میں سمجھ گئی۔ انہیں ہاشم کاردار نے کہا ہوگا کہ زمر یوسف کو میں نے بے کار ڈاکومنٹس لکھوانے اپنے پاس روک رکھا ہے سو تم لوگ اس کے کلائنٹس کو خراب کر دو۔ واؤ۔ اس آدمی کا دماغ ہسپتال کے بیڈ پہ بھی نہیں تخریب کاری سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا' اور میں اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔" فون بند کر کے وہ خود کو کوس رہی تھی۔ چہرہ غصے میں سرخ ہو رہا تھا۔

سامنے بیٹھی چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتی حنین نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اور آپ نے ہاشم سے انسانی ہمدردی کے تحت اتنا اچھا موقع گنوا دیا اس کی فائلز کاپی کرنے کا۔"

زمر چند لمحے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی' پھر تیزی سے اندر گئی اور۔۔۔ واپس آئی تو حنہ کی فلیش ڈرائیو اس کے سامنے پٹخی۔

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اگر میں اس وقت ہاشم کی فائلز کاپی کرتی تو مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہوتا؟ اور یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا تمہیں اتنی چالباز لگتی ہوں کہ وہ زمین پہ گرا کراہ رہا ہو گا اور مجھے فائلز کی فکر ہو گی۔"

"تو؟" حنین نے کندھے جھٹکے۔

"تو یہ کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے فائلز کاپی نہیں کیں میں نے تو صرف ایک سوال پوچھا تھا۔" حنین نے بے اختیار مگ والا ہاتھ نیچے کیا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ زمر دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر اس کی طرف جھکی۔ "اور جواب یہ ہے کہ میں اتنی ہی چالباز ہوں' اور اگر اب میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو نہ سہی! مگر.... ہاشم کی ساری فائلز اس میں ہیں۔"

حنین نے بے یقینی سے فلیش کو دیکھا اور پھر اسے۔

"اس کا لیپ ٹاپ آن تھا' پاسورڈ کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کے آفس میں کوئی سی سی ٹی وی بھی نہیں ہے جو کوئی مجھے اس ساری افراتفری میں یہ کرتے دیکھ سکتا۔ ساری فائلز بھی رات کو کھول کر دیکھ چکی ہوں۔ وارث غازی والی فائلز وہ کب کی ڈیلیٹ کر چکا ہے مگر... اس کے علاوہ بھی بہت کچھ... سینکڑوں ڈاکومنٹس ہیں اس میں جو ہمارے کام آ سکتے ہیں۔ انسانی ہمدردی ایک طرف حنین' میں... اتنی جلدی... سب بھلانے والی نہیں ہوں۔" اور میز پہ ہاتھ مارا تھا۔ حسینہ نے ناشتہ بناتے مڑ کر اسے دیکھا۔ (یہ غصہ ہو رہی ہے اور آگے سے حنین باجی خوش ہو رہی ہے۔ پاگل ہیں دونوں!)

حنین فرطِ مسرت سے اٹھی اور زمر کے دونوں ہاتھ تھام کر دبائے۔ "آپ.... آپ میری ملکہ ہیں۔" اور جھپٹ کر وہ فلیش اٹھا کر اندر بھاگ گئی۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' مسکرا کر سر جھٹکتی وہ پرس اٹھائے' بال ٹھیک کرتی' بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

حنین اگلے دو گھنٹے ان فائلز میں محو ہو کر بیٹھی رہی۔ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز' (حسینہ سے بنوائے) آلو کے چپس کھاتی' وہ صفحات پہ صفحات آگے کرتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ تبھی گھنٹی بجی۔

اس وقت گھر پہ ابا اور حنین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ سیم اسکول' ندرت ریسٹورانٹ' زمر کورٹ۔ ملازم اپنے کوارٹر میں۔ وہ بادل نخواستہ اٹھی اور باہر آئی۔ پورچ سے ہی اسے گیٹ کے باہر کھڑا عمر نظر آ گیا تھا۔ وہ چہرے پہ نخوت لائے' چند قدم آگے آئی۔ "آ... السلام علیکم... پھپھو گھر پہ نہیں ہیں۔"

وہ اس کی طرف گھوما۔ گیٹ چھوٹا تھا۔ کندھوں سے اوپر وہ دکھائی دیتا تھا۔ ذرا سا مسکرایا۔ "میں آپ سے بات کرنے آیا تھا۔"

"جی!" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتی تھوڑا مزید آگے چل کر آئی' پھر رک گئی۔ گیٹ درمیان میں حائل تھا۔

"وہ کیا ہے' مس یوسف کہ کچھ دن سے کوئی مسلسل ہمارے یعنی کاردار کے سسٹم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا' یا پھر مجھے کہنا چاہیے' کر رہی تھی؟ (حنین کی رنگت سفید پڑی) تو میں نے سوچا کہ بنفس نفیس جا کر آپ کو.... حنین یوسف آپ کو ایک مہذب اور شائستہ سی وارننگ دے دوں کہ ایسی بچگانہ حرکتیں نہ کیا کریں۔ ہمارے سسٹم کی حفاظتی دیواروں کو آپ نہیں توڑ سکتیں' لیکن اگر آپ نے دوبارہ کوئی ایسی حرکت کی تو میں مجبور ہو جاؤں گا 'آپ کے بارے میں آپ کے گھر والوں کو بتانے پہ۔"

حنین بالکل شل سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

"کیا آپ کی امی جانتی ہیں؟ اور آپ کے دادا؟ کہ آپ کی زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ کا بورڈ میں ٹاپ کرنا بھی تو ایک جھوٹ تھا نا۔ آپ نے اوسی پی کو بلیک میل کیا تھا' میرے پاس آپ کی اور اوسی پی کی بیٹی کے پیغامات کے پرنٹ آؤٹ پڑے ہیں۔ تو اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے جھوٹوں سے پردہ نہ اٹھاؤں تو آئندہ میری ورک پلیس پہ مسئلے نہ کھڑے کیجئے گا۔ سنا آپ نے؟" رسان مگر تلخی سے کہہ کر اس نے گریبان میں اٹکی برانڈڈ گلاسز نکال کر آنکھوں پہ لگائیں اور کار کی چابی کے ریموٹ کا بٹن دباتا مڑ گیا۔ حنین کے حلق میں بہت سے آنسو پھنسے تھے مگر آنکھیں خشک تھیں.... وہ یک ٹک' ساکت پتھر بنی وہیں کھڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محسن ہمیں یہ سوچ کے کرنی پڑی پہل

شاید وہ شخص آج بھی قید انا میں ہو

فوڈلی اینڈ آفٹر کی بالائی منزل کے خالی ہال میں دھوپ اونچی کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ کونے والی میز پہ زمر بیٹھی' لیپ ٹاپ پہ انگلیاں رکھے' ٹائپ کرتی' وقفے وقفے سے گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتی۔ تھکاوٹ سے پٹھے گویا اکڑنے لگے تھے۔ تبھی انٹر کام بجا۔ اس نے اٹھا کر مصروفیت سے پوچھا۔ "جی؟"

"مسز زمر!" نیچے ریسپشن والی لڑکی تھی۔ "ایک کلائنٹ ہیں آپ کے لئے۔" وہ ذرا رکی۔ "کہہ رہے ہیں کہ بیوی سے جھگڑا ہوا ہے' لیگل ایڈوائس لینی ہے۔"

"میں فیملی کورٹ میں پیش نہیں ہوتی۔" وہ بےزاری سے بولی' پھر سر جھٹکا۔ "اچھا بھیج دو۔" اور نظریں کی بورڈ پہ جھکائے ٹائپ کرنے لگی۔

چند ثانیے.... لمحے سرکے.... اور مدھم آہٹ سے دروازہ کھلا۔ زمر نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ وہ اس کا پرفیوم پہچانتی تھی۔ اس سے سر نہیں اٹھایا گیا۔ وہ براؤن جوگرز فرش پہ رکھتا... قدم بقدم چلتا قریب آتا گیا۔ زمر کی جھکی آنکھیں جھکی رہیں' البتہ چہرے پہ بہت سے رنگ آ کر غائب ہوئے۔ دل زور کا دھڑکا۔ وہ میز کے دہانے آرکا۔

''فیملی کورٹ میں پیش ہوں یا نہ ہوں' کسی بھی وقت فیملی کورٹ ضرور لگا لیتی ہیں آپ۔ جج' جیوری اور جلاد بھی خود ہی بن جاتی ہیں۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکا تو اس نے پلکیں اٹھائیں۔ نظریں ملیں۔ وہ ویسا ہی تھا۔ ویسے ہی بال' وہی گرے سویٹر' وہی مسکراتی سنہری آنکھیں۔ البتہ اس کو دیکھنا.... اتنے دن بعد.... کتنا اچھا لگا تھا۔ لمحے بھر کو اسے بھول گیا کہ ان کی آخری لڑائی کس بات پہ ہوئی تھی۔

بدقت اس نے چہرے پہ چھائی سنجیدگی برقرار رکھی۔ بدقت۔

''ادھر بیٹھ جاؤں یا یہ کرسی بھی آپ کی طرح کاٹتی ہے؟'' اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا کر بولا تھا۔

''بیٹھئے۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ کون سا لفظ لکھنا تھا' کون سا مٹانا تھا' اب کہاں یاد رہنا تھا؟

وہ سامنے کرسی پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' اور ٹیک لگا کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ زمر کو یاد آ ہی گیا کہ وہ کیوں ناراض تھی؟

''اکیلے ہی واپس آ گئے؟ اپنی دوسری بیوی کو ساتھ نہیں لائے۔''

''تیسری!'' اس نے تصحیح کی۔

''اوہ ہاں' تیسری!'' وہ ضبط سے بولی۔ ''مجھے بھول گیا تھا کہ تمہیں شادیاں کرنے اور بیویوں کو مارنے کا کتنا شوق ہے۔''

''شوق کا پھر کوئی مول تو نہیں ہوتا نا۔'' (وہ اندر تک جل گئی۔)

فارس سنجیدہ ہوا' اور خفگی سے اسے دیکھا۔ ''ایسا لگتا ہوں میں تمہیں کہ اسے یہاں لے آؤں گا؟'' زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کا مان بھرا انداز... دل چاہا ناراضی ختم کر دے کہ

''کیوں لاؤں گا اسے میں یہاں؟ تیسری بیوی کو تو الگ گھر لے کر دینا چاہیے نا۔''

چلو جی! اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا۔ زور سے لیپ ٹاپ پرے کیا اور اس کو غصے سے دیکھا۔ ''یہاں کیوں آئے ہو؟''

''یہ دیکھنے کہ تمہیں واقعی پرواہ نہیں ہے کیا۔'' اب کہ وہ سنجیدہ تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''تم اس کے اپارٹمنٹ میں تھے۔ اس کے ساتھ۔'' اس کی آواز کانپی۔

''اتنے دن میں اتنا تو سوچ بچار کر کے ہی آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس نے وہ الفاظ آپ کو سنانے کے لئے جان کر کہے تھے۔''

وہ لمحے بھر کو رکا۔ زمر اسی طرح اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھے گئی۔

''تم اس بات پہ ناراض نہیں ہو زمر' بلکہ اس لیے ہو کہ میں نے تم سے سچائی چھپائی۔''

''ہاں میں اسی لئے ناراض ہوں۔'' اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''تم نے مجھ سے ہمیشہ جھوٹ بولا جبکہ میں نے تمہیں ہمیشہ سچ بتایا۔''

''ہاں مگر جب تمہیں ہاشم کی حقیقت پتہ چلی تو تم نے مجھے نہیں بتائی۔''

''میں تمہارے لئے فکرمند تھی' تمہارا بچاؤ کر رہی تھی۔''

''میں بھی یہی کر رہا تھا۔''

''تم انتہائی دو نمبر انسان ہو اور نہ صرف دو نمبر بلکہ....''

''سوری۔ آئندہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔'' اس نے چھ لفظوں میں سارا معاملہ ہی ختم کر دیا۔ اب وہ کیسے اس سے اس بات پہ لڑے جس پہ وہ ناراض تھی ہی نہیں؟ چند لمحے کے لئے بالکل چپ ہو گئی۔

''اوکے۔ آئندہ سچ بولنا مجھ سے۔ بھلے کسی کے بھی اپارٹمنٹ میں کسی کے بھی ساتھ ہو' سچ بتا دینا۔'' پھر سے رکھائی سے بول کر کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگی۔

وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''جب تم جلتی ہو نا تو سارے کمرے میں دھواں بھر جاتا ہے۔ مت جلا کرو اس سے۔ تم میری محبت ہو۔ مانا کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت' زیادہ پیاری' زیادہ سلجھی ہوئی' شائستہ اور نرم مزاج کی ہے' مگر تم....''

اب بہت ہو گیا تھا۔ زمر نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کی۔

''ہاں مجھے پرواہ ہے۔ سنا تم نے۔'' وہ غرائی تھی۔ ''مجھے پرواہ ہے اور اگر آئندہ تم مجھے اس کے بیس فٹ قریب بھی نظر آئے تو میں تمہارے ساتھ اتنی بے رحمانہ انداز میں پیش آؤں گی کہ....''

''جو آٹھ سال کرتی رہی ہو' زمر تو وہ بھی نہیں تھا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ زمر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ چند گہرے سانس لئے۔

''خیر اگر تم نے کوئی اور بات نہیں کرنی تو تم جا سکتے ہو۔'' وہ روکھے روکھے انداز میں کہہ کر کام کرنے لگی کہ....

''میں سعدی سے ملا۔''

زمر نے اتنی تیزی سے گردن اٹھائی کہ ہڈی چٹخنے کی آواز آئی۔ آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی در آئی تھی۔ ''کب؟ کہاں؟ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟'' وہ ایک دم اٹھی اور گھوم کر اس کے ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھی۔ بے چین' بے قرار سی۔

''وہ کچھ دن تک آ جائے گا۔ وہ ٹھیک تھا۔ ڈونٹ وری۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا مگر وہ اب اس طرح سکون میں نہیں آ سکتی تھی۔

''پلیز مجھے بتاؤ' تم اس سے کیسے ملے۔ کہاں ملے۔ وہ کیسا ہے۔'' اسکی آنکھیں نم تھیں اور اس نے بے اختیار فارس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ بے تابی سی بے تابی تھی۔

''یہ دیکھو'' اس نے نرمی سے ایک ہاتھ چھڑایا اور سیل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''میں نے تمہارے لئے اس کی ایک تصویر لی تھی۔ ورنہ میں تو ہوں ہی جھوٹا۔ تم کہاں مانتیں کہ میں اس سے ملا تھا۔''

زمر نے بے تابی سے فون پکڑا۔ اسکرین پہ وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔ رات کے وقت ریسٹورانٹ کا منظر۔ اور وہ کھانا کھا رہے تھے۔

"اس کے بال دیکھو۔اس نے کٹوا دیے اور...."

"سعدی کے منہ پہ چوٹ کیسی ہے؟" وہ تصویر زوم کر کے ایک دم بولی تھی۔ سعدی کے ہونٹوں کا زخم اور گال کی سوجن صاف نظر آ رہی تھی۔

فارس غازی کی بولتی بند ہوئی۔ بے اختیار بال کھجائے۔

"آ.... یہ چوٹ؟" اس نے تھوک نگلا۔ "شاید کسی نے مارا تھا اسے۔" (اب کسی کی تفصیل میں وہ نہیں جا سکتا تھا۔)

"کس نے؟" وہ غصے سے بولی تھی۔ اسکرین پہ انگلی پھیرتی' تصویر کو چھو کر محسوس کرتی' وہ بہت مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

"پتہ نہیں۔اس نے.... بتایا نہیں۔" فارس نے بات بدلنی چاہی۔ "تم نے اس کے بال دیکھے؟ بالکل...."

"اللہ غارت کرے ایسے لوگوں کو۔ ہاتھ کیوں نہیں ٹوٹ جاتے ان کے۔ قہر نازل ہو ان پہ اللہ کا...." وہ بولتی جا رہی تھی اور فارس نے بہت سے بے چین پہلو بدلے تھے۔ "اچھا ٹھیک ہے' بس کرو۔"

"نہیں' کس نے حق دیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ اس کے ساتھ یہ سب کریں۔ وہ کتنی مشکل میں ہوگا۔ وہ کتنا پریشان ہوگا۔ پلیز اسے واپس لے آؤ۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ اتنے ماہ بعد.... سعدی کی تصویر دیکھنا.... جذبات ابل ابل رہے تھے۔ نم آنکھوں سے اس نے فارس کو دیکھا۔

"وہ تم سے ملا تو کیسا تھا؟ تم اس سے کیسے ملے؟ تم نے اسے گلے لگایا؟ اسے پیار کیا؟"

اور فارس غازی نے ایک نظر میز پہ ڈالی جہاں خونخوار نوکیلی نوک والے قلم رکھے تھے۔ ایک تیز دھار پیپر نائف بھی پڑی تھی۔ اور چند بھاری' وزنی پیپر ویٹ بھی جو کسی بھی انسان کو قتل کرنے کے لئے کافی تھے۔ اس نے گہری سانس لی اور جبراً مسکرایا۔

"میں.... میں اس سے بہت اچھے سے ملا۔ ایک ریسٹورانٹ کا پتہ دیا تھا اسے۔ وہ وہاں آ گیا میں اس سے گلے ملا اس کا ماتھا چوما' اسے تسلی دی کہ اب وہ میرے ساتھ ہے' اس کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس کے زخم.... منہ والے زخم کے لئے اسے آئس پیک لا کر دیا... اور...." وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ (بیڑہ غرق ہو سچائی کا۔) اور زمر بہت ممنونیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کتنے اچھے' لونگ' کیئرنگ ہو تم۔ سوری میں تم سے اتنے دن ناراض رہی۔ میرا کیا ہے۔ میں تو ایک زمانے میں سمجھا کرتی تھی کہ تمہیں لوگوں کو مارنے پیٹنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ کتنی غلط تھی میں تمہارے بارے میں۔"

اور فارس جبراً مسکرا کر کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیمان کا پشیماں ہونا!

اس سکس اسٹار ہوٹل کا وہ ہال مہمانوں کی گول میزوں سے بھرا تھا۔ پہلے صف میں ایک طرف کیمرہ مین اور رپورٹرز کی واضح اکثریت کھڑی نظر آتی تھی جو دھڑا دھڑ ڈائس پہ کھڑے شخص کی تصاویر اتار رہے تھے' ویڈیو بنا رہے تھے۔ اور ایش گرے سوٹ میں ملبوس وہ وجیہہ سا

ہاشم کاردار ہال تیل سے پیچھے کیے‘ ڈائس پہ نصب آدھ درجن مائیکس میں کہہ رہا تھا اور سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔۔۔

”مجھے آج اس فورم پہ کھڑے ہو کر چند دن قبل ہونے والے اپنے سب سے بڑے پلانٹ کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا افسوس نہیں ہو رہا۔“

فضاؤں میں کوئی اداس سا نغمہ گنگنایا جا رہا تھا۔ ہولے ہولے.... دھیرے دھیرے سے۔ ایک سکوت سا تھا... جیسے ہر کوئی انتظار میں ہو.... جیسے ہر کوئی تیار کر رہا ہو....

”افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ اگر میں اس anxiety اٹیک سے مر بھی جاتا‘ گو کہ میں بہت ڈھیٹ ہوں‘ (ہال میں قہقہہ بلند ہوا) تو میں اس پچھتاوے کو لے کر دنیا سے جاتا کہ میں لوگوں کی خیر کے لیے جتنا کر سکتا تھا‘ اتنا نہیں کر سکا۔“

کولمبو کے ساحل سے دور ایک لانچ سمندر کے نیلے پانی پہ تیر رہی تھی۔ اس کے اندرونی کیبن میں کرنل خاور بیٹھا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی‘ آنکھوں پہ عینک تھی‘ اور وہ بار بار گھڑی دیکھتا تھا۔ سعدی یوسف کی تلاش ترک کر کے وہ اپنے مالک کو منانے واپس جا رہا تھا۔

”اور میرے ان سب دوستوں‘ وفادار ساتھیوں کا شکریہ جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب میں اپنی زندگی لوگوں کی بھلائی کے لیے وقف کر دوں۔“

کینڈی میں اس کافی شاپ کے کچن میں کھڑے سعدی یوسف کا چھوٹا بھدا سا موبائل بجا تھا۔ اس نے پیغام پڑھا اور چپ چاپ باہر نکل آیا۔ چند گلیاں پیدل چلتا گیا‘ یہاں تک کہ سڑک کنارے نصب ایک کوڑے دان کے ساتھ رکا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا پھر ڈھکن کھولا۔ چند بدبودار شاپر ہٹائے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ سیاہ پلاسٹک ریپر میں لپٹا پیکیج۔ اس نے اسے نکال کر کھولا۔ اندر سبز پاسپورٹ تھا اور اس پہ اسی کی تصویر لگی تھی۔ چھوٹے بال‘ داڑھی‘ سبز آنکھوں کے ساتھ۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔

”کیونکہ جب تک انسان اپنی ذات سے باہر نکل کر دوسروں کی بھلائی کے لیے نہیں سوچتا‘ وہ کفر کرتا ہے‘ سازشیں کرتا ہے‘ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ایسے لوگ تو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔“

حنین بالکل نارمل سی‘ پتھرائے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ کمپیوٹر پرنٹر زوں زوں کی آواز کے ساتھ ایک کاغذ باہر اگلا‘ جسے اس نے اٹھا کر سیدھا کیا۔ اس پہ احمر کی تصویر بنی تھی۔ اس نے وہ کاغذ لے جا کر دیوار پہ لگی مختلف کاردارز کی تصاویر کے ساتھ چپکا دیا۔ اور سیاہ مارکر سے اس کے اوپر سوالیہ نشان لگا دیا۔

(کون ہے احمر شفیع؟)

”اور میں یہ جان گیا ہوں کہ ایک بہتر انسان بننے کے لیے انسان کو اپنے بارے میں سوچنا بند کر کے دوسروں کو ترجیح دینی ہوتی ہے۔“

فارس بینک کے کیش کاؤنٹر پہ کھڑا چیک بک پہ کچھ لکھ کر دستخط کر رہا تھا۔ پھر اس نے چیک کھڑکی کے اندر بڑھا دیا۔ اب اندر بیٹھی لڑکی اسے نوٹوں کی گڈیاں تھما رہی تھی۔

''میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ انسان چیریٹی اپنے گھر سے شروع کرتا ہے ورنہ وہ چیریٹی کا حق نہیں ادا کر سکتا۔''

سعدی اپنے اوپری چھوٹے کمرے میں کھڑا بیگ میں سامان ڈال رہا تھا۔ نوٹوں کی ایک گڈی اس نے تکیے کے اندر چھوڑ دی تھی۔ باہر کامنی ہاتھ باندھے کھڑی غصے اور صدمے سے اس کے دروازے کو بار بار دیکھتی تھی۔ پھر بھی چلا کر کہتی۔ ''یہ مجھ سے سچ بھی بول سکتا تھا۔ میں آئندہ کبھی انسانوں کا اعتبار نہیں کروں گی۔''

''مگر اس ملک کے سارے مسائل لاکھوں اور کروڑوں کی چیریٹی دے دینے سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس ملک کے مسئلے تب حل ہوں گے جب ہم لوگوں کو انصاف فراہم کریں گے.... انصاف کا مطلب ہوتا ہے فوری انصاف کیونکہ

Justice delayed is justice denied!''

زمر ریسٹورانٹ کی بالائی منزل والے ہال میں بیٹھی.... پرنٹر سے نکلتے کاغذوں کو مختلف فائلز میں لگا رہی تھی۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ فائلز پہ فائلز تیار کر رہی تھی۔ ثبوت در ثبوت۔ ہاشم کاردار اور اس کے قرابت داروں کی کمزوریاں۔ بلیک میلنگ کا مواد۔ زبردست۔

''اور اگر مجھ جیسے وکلا انصاف کی فراہمی کے لیے واقعتاً کوششیں نہیں کریں گے تو معاشرے کے ناسور بڑھتے جائیں گے۔''

احمر شفیع قصر کاردار کے کنٹرول روم میں بیٹھا' کی بورڈ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کرتا' بار بار نفی میں سر ہلاتا' افسوس سا چہرے پہ در آتا جسے وہ جھٹک کر کام کرنے لگ جاتا۔

''اگر آج ہم جیسے لوگ اپنا پیسہ اور اپنی طاقت استعمال نہیں کریں گے تو ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔''

علیشا ٹارچ لئے انیکسی کی دسمت میں موجود تھی اور مسلسل تیزی سے ہاتھ چلاتی سامان الٹ پلٹ کرتی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

''پاور پلانٹ کا نقصان کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس تخریب کاری کی میں مذمت کرتا ہوں اور اس کا بدلہ میں اس طرح سے لوں گا کہ جو لوگ اس قسم کی وارداتیں کرتے ہیں' ہم ان دہشت گردوں کے بچوں کو تعلیم دیں گے۔ یہی ان کی سب سے بڑی شکست ہے۔''

فیونا اپنے باتھ روم میں کھڑی اپنے بٹوے میں موجود رقم گن رہی تھی۔ آنکھوں میں حسرت بھری نمی تھی۔ باہر میری برآمدے میں کھڑی ملازموں پہ حکم چلا رہی تھی۔

''میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔''

جواہرات سیلون نما کلینک کی آرام دہ چیئر پہ بیٹھی تھی اور چند ورکرز اسے کاسمیٹک سرجری کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل آئینے میں اپنی ناک کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہی تھی۔

''زندگی نے جو مجھے ایک دوسرا موقع دیا ہے میں اسے ایک بہتر انسان کے طور پہ گزارنا چاہتا ہوں۔ میں اچھے کام کر کے فخر سے اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔''

فارس ایک اسٹوریج لاکر کے اندر کھڑا تھا۔ لوہے کا اوپر سے نیچے گرنے والا دروازہ اس نے گرا رکھا تھا اور وہ مختلف شیلف اور خانوں میں سے سیاہ چمکتا اسلحہ نکال نکال کر بیگ میں بھرتا جا رہا تھا۔ دوسرے بیگ میں چند دوسری اشیاء رکھی تھیں۔ وہ تیاری کر رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد جب میری بیٹی میرا نام لے میرا بھائی میرا ذکر کرے تو وہ مجھے صرف ایک فلینتھراپسٹ کے طور پہ نہ جانیں بلکہ انصاف کے لیے جدوجہد کرنے والے ایک فرض شناس شہری کے طور پہ یاد کریں۔"

نوشیرواں اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا' کریڈٹ کارڈ سے سفید دانے دار شے کو زور زور سے پیس رہا تھا۔ چہرے پہ مردنی اور آنکھوں میں گہرا گلٹ چھایا تھا۔ بار بار ان میں نمی در آتی جسے وہ کف سے رگڑ کر صاف کر لیتا۔

"لیکن..." کیمروں اور فلیش لائٹس کی چکاچوند روشنی میں ہاشم کاردار کہہ رہا تھا۔ "ہم زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کو بھول جاتے ہیں مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرا دوست میرا رشتہ دار... ایک پیارا نوجوان سعدی یوسف جو آٹھ ماہ پہلے ہم سے بچھڑ گیا... آج میں اس کے اور اس جیسے لاپتہ افراد کے لئے "سعدی یوسف فاؤنڈیشن" بنانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ فاؤنڈیشن سعدی یوسف جیسے لاپتہ افراد کے کیسز پھر سے کھلوائے گی اور ان کے خاندان کو انصاف کی فراہمی یقینی بنائے گی۔ اس میں ملک کے نامور اور ماہر وکلاء کا پینل ہوگا جو اس بات کو یقینی بنائے گا کہ..." وہ کہہ رہا تھا۔ کیمرے کھٹا کھٹ کلک کلک کر رہے تھے۔ لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کر اس ذہین اور شاندار' ہمدرد اور رحمدل شخص کے لئے تالیاں بجا رہے تھے جو موت کے قریب جا کر واپس آیا تھا اور لوگوں کے لئے مزید بھلائی کے کام کرنا چاہتا تھا۔ بے داغ دامن اور سفید کالر والا شخص ابھی تک بول رہا تھا...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا

ضرورت آن پڑی ہے مجھے کشتیاں جلانے کی

ہاشم کاردار کے آفس کی ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں اور وہ پاور سیٹ پہ ٹیک لگائے بیٹھا مسکرا کر فون پہ کہہ رہا تھا۔

"تھینک یو۔ جی ایسا ہی ہے۔ گالف پہ ملتے ہیں پھر۔" اس نے ریسیور کریڈل پہ رکھا۔ سامنے کھڑے رئیس نے چند کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ ہاشم نے پین ہولڈر سے قلم نکالا اور عینک ناک پہ لگاتے' کاغذوں پہ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کرنے لگا۔ دفعتاً ٹھہر کر اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر اسپیکر آن کر دیا۔

"جی کاردار صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟" ہاشم کاغذات کا سرسری معائنہ کرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں ادریس۔ تم سناؤ' فارس ٹھیک کام کر رہا ہے۔"

"جی۔ آج کل چھٹی پہ گھر گیا ہے۔ پورا ہفتہ اچھا کام کیا۔ چھٹی وغیرہ نہیں کرتا تھا۔ شام میں کبھی نکلا تو نکلا' ورنہ ادھر ہی کام کرتا تھا' یہیں رہتا تھا۔ اور..." ادریس رپورٹ دے رہا تھا۔ وہ سنتا گیا۔ کاغذ مکمل ہو گئے تو اس نے کال کاٹی اور عینک اتار کر پرے رکھی۔

''یہ لے جاؤ اور یوں کرو، آج شام کے لئے....'' کچھ بولتے بولتے ہاشم ٹھہرا۔ ابرو پر سوچ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

''یہیں رہتا تھا؟'' اس نے غائب دماغ سے دہرایا۔

''جی سر؟'' رئیس نے ناسمجھی سے پوچھا۔ ہاشم ایک دم کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''ادریس نے کہا وہ یہیں رہتا ہے۔ یعنی کہ کمپنی کے کوارٹرز میں۔ مگر....'' وہ چونک گیا تھا۔ ''پچھلے سال ایک اسکینڈل کے بعد ان کی کمپنی نے بہت سخت اصول بنائے تھے۔ اکیلے مردوں کو کوارٹر نہیں ملتا۔ صرف ان کو ملتا ہے جن کی بیوی بچے ساتھ ہوں۔''

''آپ نے بھی سفارش نہیں کی تو ادریس نے غازی کو کوارٹر میں کیوں رہنے دیا؟'' رئیس بھی الجھا۔ ہاشم کاردار نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ کوارٹر میں نہیں رہ رہا۔ کوئی بھی بغیر فیملی کے ادھر نہیں رہ سکتا۔ ادریس جھوٹ بول رہا ہے۔'' اور کہتے کہتے وہ خود بھی چونکا تھا۔ ''تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے رئیس۔ مجھے پتہ کر کے دو کہ فارس غازی کراچی گیا بھی تھا یا نہیں۔ اور اگر وہ نہیں گیا تھا تو وہ کہاں تھا؟''

وہ سخت لہجے میں بولا تھا اور رئیس بھی الارڈ سا ''یس سر'' کہتا باہر کو بھاگا تھا۔ ایک گھنٹہ....صرف ایک گھنٹہ تھا....حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)